
[illegible]

اُردو

[illegible]

به

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مطبع منشی نولکشور

میں

لکھنؤ

181·07
168C0
SV02
9926

6

اهداء الكتاب

الیٰ

مولای الکریم السید احمد بالقادر

نظراً الی خدماتہ الجلیلۃ ومساعیہ الجمیلۃ

فی حمایۃ حمی الاسلام

ا البضاعۃ وان کانت مزجاۃ واھدیت من غیر مرضاۃ لکنھا

نعمۃ مشفعۃ لکونھا منبئۃ عن خلوص النیۃ وصدق الطویۃ

من خادمہ المترجم

ممتاز علی

[illegible]	۵۸
[illegible]	
[illegible]	۸۸
[illegible]	۱۸
[illegible]	۰۸
[illegible]	"
[illegible]	۸۱
[illegible]	"
[illegible]	۵۱
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	
[illegible]	۱
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	۱
[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] | [illegible]

مضمون	صفحہ
خلیفہ وقت کا حکم امام صاحب کے نام	۹۴
امام صاحب سے بعض اہل حق رنجیدہ ہوئے کہ تردید مخالفین سے اُن کے شبہات کی اشاعت ہوتی ہے	۹۵
شبہ مذکورہ بالا کا جواب	۹۶
بعض خدشات اہل تعلیم کا جواب	۹۸
امام صاحب کی تصانیف تردید مذہب اہل تعلیم میں	۱۰۷
طریق صوفیہ کی تکمیل کے لئے علم اور عمل دونوں کی ضرورت ہے	۱۱۱
امام صاحب نے قوۃ القلوب و دیگر تصانیف مشائخ عظام کا مطالعہ شروع کیا	〃
صوفیہ کا درجہ خاص ذوق و حال سے حاصل ہوتا ہے	〃
امام صاحب سعادت آخرت کے لئے دنیا سے قطع تعلق کرنا ضروری سمجھتے ہیں	۱۱۳
بغداد سے نکلنے کا عزم ۴۸۸ ہجری	۱۱۴
امام صاحب کی زبان بند ہوگئی اور وہ سخت بیمار ہوگئے	۱۱۵
امام صاحب سفر مکہ کے بہانہ سے بغداد سے نکلتے ہیں	۱۱۶
امام صاحب کا قیام دمشق میں	۱۱۷
زیارت بیت المقدس	〃
سفر حجاز	〃

مضمون	صفحہ
امام صاحب واپس وطن کو آئے اور گوشہ نشینی اختیار کی...	۱۱۷
امام صاحب کو خلوت میں مکاشفات ہوئے........	۱۱۸
طہارت کی حقیقت..........	۱۱۹
حقیقت نبوّت ذوق سے معلوم ہوتی ہے........	۱۲۰
حقیقت نبوّت کیا ہے..........	۱۲۲
خواب خاصیت نبوّت کا نمونہ ہے........	۱۲۴
منکرین نبوّت کے شبہات کا جواب........	۱۲۵
نبوّت کا ثبوت اس عام اصُول پر کہ الہام ایک ملکہ ہے جس کا تعلق کُل علوم سے ہے..........	۱۲۵
کسی خاص شخص کا نبی ہونا بذریعہ مشاہدہ یا تواتر ثابت ہوسکتا ہے..........	۱۲۸
محض معجزات ثبوت نبوت کے لئے کافی نہیں.......	۱۳۰
ارکان و حدود شرعی کی حقیقت..........	۱۳۲
اسباب فتور اعتقاد..........	۱۳۵
بعض متشککین کے اوہام..........	؍؍
امام صاحب خلوت ترک کرنے اور لوگوں کے ملحدانہ خیالات کی اصلاح کا ارادہ کرتے ہیں..........	۱۴۱
سلطان وقت کا حکم امام صاحب کے نام کہ نیشاپور جاؤ اور	

مضمون	صفحہ
بد اعتقادی کا علاج کرو	۱۴۲
امام صاحب ذی القعد سنہ ۴۹۹ہجری میں نیشاپور پہونچے	۱۴۳
تتمہ ذکر اسباب فتور اعتقاد اور اُس کا علاج	۱۴۵
ثبوت نبوت ایک مثال سے	۱۴۷
ایک اَور مثال	۱۴۹
ارکان احکام شرعی کی توضیح بذریعہ ایک تمثیل کے	۱۵۰
ہمارے کل معتقدات کی بناء تجربہ ذاتی پر نہیں	۱۵۲
ضُعف ایمان بوجہ بد اخلاقی علماء اور اُس کا علاج	۱۵۴
خاتمہ	۱۵۶

بعض حواشی

بحث تلازُم اسباب طبعی	۵۴
مسئلہ حشر اجساد	۶۹
مسئلہ کُلیت علم باری تعالیٰ	۷۸
مسئلہ قِدم عالم	۸۱
حقیقت نبوت	۱۲۵

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں نہیں پائی جاتی۔ اور صرف اسی تصنیف میں پائی جاتی ہے یہ ہے۔ کہ اس میں امام صاحب نے اپنے خیالات کی مسلسل تاریخ بیان کی ہے۔ اور اُن میں جو جو تبدیلیاں اور انقلاب وقتاً فوقتاً واقع ہوئے اُن کا عبرت انگیز طریق میں ذکر کیا ہے۔ غرض یہ کتاب آئینہ ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے واردات قلبی کا جس سے اُن لوگوں کو جو تحصیل علوم فلسفہ کے شائق ہیں نہایت عمدہ نصیحت حاصل ہوسکتی ہے ؎

نصیحت گوش جاناں کن کہ از جاں دوست تر دارند ❊ جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

مَیں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کا اُردو زبان میں با محاورہ سلیس ترجمہ کروں تاکہ خاص و عام اُس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ الحمدللہ کہ یہ کام اواخر ربیع الاوّل سنہ ۱۳۰۱ ہجری میں ختم ہوا ❊

امام صاحب نے اپنے زمانہ کے علماء اور ان کے طریق جدل اور لوگوں کے فتور اعتقاد وغیرہ کی نسبت بعض ایسے امور تحریر فرمائے ہیں جو اس زمانہ کے حالات سے مشابہ ہیں یا باندک تغیر اُن پر منطبق ہوسکتے ہیں۔ میں نے ایسے مقامات پر حواشی لکھے ہیں جن میں بتایا ہے کہ یہ امور اس زمانہ کے حالات پر کس طرح منطبق ہوتے ہیں ❊

امام صاحب کے حالات سے جو اس کتاب میں درج ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کو ابتداءً علم فلسفہ سے سخت مضرت پہونچی تھی اور

اُن کی حالت نہایت خطرناک ہوگئی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل
سے اُن کی مشکلات آسان کردیں اور اُن کو ایسی ہدایت بخشی کہ
وہ باعث ہدایت خلقت ہوئے۔ اور قبولیت عام نے ان کو امام
حُجۃُ الاسلام کا لقب دیا۔ چونکہ امام صاحب فلسفہ کے مہلک اثر
کا ذاتی تجربہ حاصل کر چکے تھے اس لئے جہاں تک اُن کے بس میں
تھا اُنھوں نے مسلمانوں کو اس کی آفات سے ڈرایا اور تردید فلسفہ
اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد قرار دیا۔ یہ جوش درجہ غلو تک پہونچ گیا تھا
اور کیونکر نہ پہونچتا۔ جبکہ فلسفہ کے زہریلے اثر سے امام صاحب سے
جید عالم کے خیالات مذہبی محفوظ نہ رہ سکے تو عوام الناس کی نسبت
کیا کیا اندیشے تھے جو نہیں ہوسکتے تھے۔ اور ایسے شخص کے دل
میں جو محبت اسلام سے سرشار ہو اور خدمت اسلام کو اعلیٰ ترین
عبادت سمجھتا ہو فلسفہ کی طرف سے کیا کیا بغض و بد گمانیاں تھیں
جو پیدا نہیں ہوسکتی تھیں؟ خلفاء عباسیہ کا دور حکومت تھا۔ لوگوں
کی طبیعتیں فلسفہ و حکمت کے ذوق و شوق سے لبریز ہو رہی تھیں
اور اُس زمانہ کی مجالس علمی اور اُمراء کی صحبتوں میں بھی حکمت و فلسفہ
کے چرچے رہتے تھے۔ غرضکہ زمانہ کا عام میلان شیوع حکمت و فلسفہ
کی طرف معلوم ہوتا تھا۔ امام صاحب جو خود اپنے نفس پر علوم حکمیہ
کے بد نتایج اور اُن کا ملحدانہ اثر محسوس کرچکے تھے۔ اس حالت زمانہ
کو دیکھکر نہایت سراسیمہ ہوتے تھے۔ آخر اُنھوں نے بلا خیال اس

بات کہے کہ جس عظیم الشان مہم کو وہ اُٹھے ہیں وہ ایک جدید شخص
کا کام نہیں ہے تردید فلسفہ کا بیڑا اُٹھایا اور صرف قرآن مجید کی
قوت پر بھروسہ کرکے تمام علمی دنیا سے جنگ کیا - امام صاحب نے
اہل اسلام کے دلوں کو فلسفہ سے بیزار کرنے کے لئے اور اُس کی
نفرت اُن کے دلوں میں بٹھانے کے لئے صرف اُن مسایل کی تردید
کافی نہیں سمجھی جو علانیہ اسلام کے برخلاف تھے - بلکہ اُنھوں نے
کوئی پہلو جس سے فلسفہ کی مخالفت واجب یا ناواجب ممکن معلوم ہوتی
تھی اختیار کئے بغیر نہ چھوڑا - چنانچہ امام صاحب کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ
کے ملاحظہ سے واضح ہوگا - کہ اُنھوں نے بعض ایسے مسائل میں بھی جو
خود اہل اسلام کے نزدیک مسلم ہیں محض اس بنا پر مخالفت کی ہے
کہ وہ مسائل گو فی نفسہ صحیح ہیں الّا دلایل فلسفیہ سے اُن کا ثبوت
ناممکن ہے - جس شے سے اس درجہ کا سخت عناد ہو تو اُسکی مذمت
میں کبھی ناواجب مبالغہ ہوجانا ایسا امر ہے جو بمقتضائے فطرت انسانی
ہر انسان کو پیش آتا ہے - چنانچہ امام صاحب بھی کہیں کہیں
اس کتاب میں فلسفہ کی مذمت میں حد مناسب سے تجاوز کر گئے
ہیں - میں نے حواشی میں ایسے مقامات پر گرفت کی ہے - مگر حاشا
کہ مجھ کو امام صاحب کی تحریر پر اس قسم کی نکتہ چینی کرنے سے
اُن کی شان میں کسی طرح سے سوء ادبی کرنا یا اُن کی تحقیق کی نسبت
استخفاف کرنا یا اپنی نمود منظور ہو - میں خود اُن کی تصانیف کا

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

مجھ کو پسندیدہ ترین نظر آیا - اور اقوال خلقت کی بے انتہا تفتیش میں مجھ کو
کیا حق الامر معلوم ہوا - اور وہ کونسا امر تھا جو باوجود اس امر کے کہ **بغداد** میں
کثرت سے طلبہ تھے مجھے اشاعت تعلیم سے مانع آیا - اور جسکی وجہ سے بعد عرصۂ دراز
نیشاپور واپس جانے پر مجبور ہوا - سو میں اس امر کو معلوم کرکے کہ تیری رغبت
صادق ہے تیرے سوال کا جواب دیتا ہوں اور اللہ سے مدد مانگ کر اور اُس پر
بھروسہ کرکے اور اُس سے طلب توفیق کی التجا کرکے آغاز سخن کرتا ہوں ✦
جواب جاننا چاہیئے - خدا تعالےٰ تمکو ہدایت بخشے اور اتباع حق کے لئے قلب
سلیم عطا فرماوے - کہ اختلاف خلقت درباب دین و ملّت اور پھر اختلاف اُمّت
درباب مذاہب جس سے بے شمار فرقے اور متناقض طریقے پیدا ہوگئے ہیں ایک
دریائے عمیق ہے - جس میں بہت لوگ غرق ہوئے ہیں - اور بہت ہی کم ہیں جو
اس سے سلامت نکلے - اور ہر فرقہ کا یہی زعم ہے کہ ہم ہی ناجی ہیں کُلُّ حِزْبٍ
بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ - اسی تفرقہ کی نسبت مخبر صادق حضرت سید المرسلین صلے اللہ
علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ قریب ہے کہ میری اُمت کے تہتر فرقے
ہوجائیں گے - جن میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا - پس یہ وعدہ اب پورا
ہوتا نظر آتا ہے - ابتدائے شباب سے یعنے ایام بلوغت سے جبکہ میری عمر ابھی
بیس سال کی بھی نہیں ہوئی تھی - اس وقت تک کہ اب میرا سن پچاس سال
سے متجاوز ہوا میری ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ میں اس دریاء عمیق کے منجدھار
میں بے دھڑک گھستا اور اُس کے گہرے گہرے اور خطرناک مقامات میں ڈرپوک
بزدلوں کی مانند نہیں بلکہ بڑے دل چلے لوگوں کی طرح غوطہ لگاتا تھا - میں

ہر تاریکی میں جا دھنستا تھا اور ہر مشکل پر ہاتھ ڈالتا تھا ہر بھنور میں بیدھڑک
کُود پڑتا تھا۔ اور ہر فرقہ کے عقیدہ کی جستجو میں رہتا اور ہر فرقہ کے مذہب کے
اسرار دریافت کیا کرتا تھا۔ کہ حق باطل اور سنت اور بدعت میں تمیز کر سکوں۔
کوئی اہل باطن میں نے ایسا نہیں چھوڑا۔ کہ اُس کے اسرار پر مطلع ہونے کا
مجھ کو شوق نہ ہوا ہو۔ اور کوئی اہل ظواہر میں سے ایسا نہیں رہا کہ اُس کے
علم کی حاصل معلوم کرنے کا میں نے ارادہ نہ کیا ہو۔ کوئی فلسفی نہیں جس کے
فلسفہ کی ماہیت سے واقف ہونے کا میں نے قصد نہ کیا ہو۔ اور کوئی اہل کلام
ایسا نہیں جس کی تعزیہ اور مجادلہ کے انجام پر مطلع ہونے کی میں نے جدوجہد
نہ کی ہو۔ میں ہر ایک صوفی کے اسرار تصوف پر واقف ہونے کا حریص رہتا تھا۔
ہر ایک عابد کی نسبت میں یہ سوچتا تھا کہ اُس کی عبادت کا مآل کیا ہوگا۔ اور
ہر ایک زندیق معطّل کی نسبت میں یہ جستجو کیا کرتا تھا کہ وہ کیا اسباب ہیں جن سے

لہ اللہ تعالیٰ کی صفات وجودی و صفات تنزیہی میں مبالغہ کرنے سے دو متضاد مذہب باہم
متفات پیدا ہوئے ہیں۔ ایک مذہب والوں کا تو یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالےٰ بذات خود ہر مکان
میں موجود ہے اور ہستی مخلوقات عین ہستی خالق ہے۔ اس مذہب کو مذہب حلول و اتحاد
کہتے ہیں۔ ہمہ اوست کا مذہب اور تمام دیگر مذاہب جن کے رُو سے یہ یقین کیا جاتا ہے۔ کہ
اللہ تعالےٰ نے کسی صورت خاص میں ظہور کیا اسی مذہب حلول و اتحاد کی مختلف
شاخیں ہیں +
دوسرا مذہب جو اللہ تعالیٰ کے تنزیہہ و تقدیس میں مبالغہ کرنے سے پیدا ہوا ہے یہ ہے
کہ خدا تعالیٰ ہر قسم کی جہت سے منزہ ہے۔ وہ نہ عالم میں داخل ہے نہ اُس سے خارج۔ نہ فوق ہے

اُس کو زندیق اور معطل بننے کی جرأت ہوتی ہے۔ حقایق امور کی ادراک کا
میں ہمیشہ سے پیاسا تھا۔ ابتدائے عمر سے یہ شوق میرے دل میں کُھبا ہوا
تھا اور خدا تعالیٰ نے میری فطرت اور سرشت میں ہی یہ بات رکھ دی تھی
جسپر میرا کسی قسم کا بس اور اختیار نہ تھا۔ یہاں تک کہ لڑکپن کے زمانہ
کے قریب ہی رابطہ تقلید مجھ سے چھُوٹ گیا۔ اور عقاید موروثی ٹُوٹ گئے

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

میں نے دیکھا کہ نصارے کے بچّوں کا نشو و نما ہر
نصرانی پر ہی ہوتا ہے اور یہود کے بچّوں کا نشو و نما
یہودیت پر ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے بچّوں کا نشو و نما اسلام پر ہوتا ہے
میں نے وہ حدیث بھی سُنی ہوئی تھی۔ جو رسُول خدا صلعم سے بدیں مضمون
مروی ہے کہ جو بچّہ پیدا ہوتا ہے فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اُسکے
والدین اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ پس میرے دل میں

عالم ہے نہ اندرون عالم۔ نہ اُس کے پاس سے کوئی شے آسکتی ہے۔ نہ اُس کے پاس کوئی
شے جاسکتی ہے۔ نہ اُس کا قُرب ممکن ہے نہ اُس کا دیدار۔ اس مذہب کے قائلین کو اہل
نفی و جحود یا اہل تعطیل یا فرقہ معطلہ کہتے ہیں۔

مذہب حق یہ ہے کہ نہ تو اثبات صفات میں اس قدر غلو کرنا چاہئے کہ بُت پرستی تک
نوبت پُہنچ جاوے اور نہ تنزیہہ و تقدیس میں اس قدر تدقیقات فلسفہ نکالنی چاہئیں۔ کہ
اللہ تعالیٰ کو عدم محض ہی تصور کیا جائے۔ مذہب سلف صالحین و ائمہ اسلام یہی تھا
یعنے اثبات بلا تشبیہ و تنزیہ بلا تعطیل + مترجم +

یہ تحریک پیدا ہوئی کہ حقیقت فطرت[1] اصلی اور حقیقت اُن عقاید کی جو

[1] یہ سوال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا تھا نہایت دلچسپ سوال تھا اور زمانہ حال میں بھی فلاسفہ شائقین و دہریہ ہردو نے اس کے جواب دینے پر طبع آزمایاں کی ہیں - امام صاحب اس سوال پر غور کرتے کرتے ایک اُور دقیق بحث میں جا پڑے - یعنے وہ نفس علم و ادراکات حواس اور اس امر پر کہ وہ کس حد تک قابل وثوق ہیں نظر کرنے لگے - افسوس ہے کہ ان کے سلسلہ خیالات کا انجام سفسطہ پر ہوا - اور وہ عالم مادی کے وجود فی الخارج میں شک رکھنے لگے - امام صاحب تحریر کرتے ہیں کہ اوہام سفسطہ سے اُن کا جلد چھٹکارا ہوگیا - مگر اس رسالہ میں پھر یہ نہیں بتایا کہ اُن کے نزدیک حقیقت فطرت اصلی کیا ہے جس پر انسان مولود ہوتا ہے اور جو بعد میں بوجہ عارض ہونے عقاید تقلیدی و خیالات تلقینی کے دب جاتی ہے - خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی دین قیم کو بلفظ فطرت تعبیر کیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا - اس امر کے قرار دینے میں کہ فطرت سے اس آیت میں اور حدیث مذکورہ بالا میں کیا مراد ہے ہمارے علماء میں اختلاف ہے بعض علماء کا قول ہے کہ فطرت سے مراد وہ استعداد ہے جو خدا تعالیٰ نے ہر انسان میں امر حق کے قبول کرنے اور اُس کے ادراک کر سکنے کی ودیعت رکھی ہے بعض دیگر علماء کا یہ قول ہے کہ فطرت سے مراد دین اسلام ہے - کیونکہ اگر انسان اپنی حالت فطری پر چھوڑ دیا جاوے تو وہ حالت اُس کو دین اسلام تک پہونچا سکتی ہے - ایک دیگر گروہ علماء اسلام اس طرف گیا ہے کہ فطرت سے مراد وہ عہد ہے جو بروز میثاق خداوند تعالیٰ نے ذریت آدم سے لیا

تقلید والدین یا اُستاد سے عارض ہوتے ہیں معلوم کروں اور اُن تقلیدات

تھا امام غزالیؒ صاحب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ فطرت سے مراد توحید و معرفت الٰہی ہے کیونکہ باعتبار جبلت صلاحیت ادراک توحید ہر ایک قلب میں موجود ہے ۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ فطرت اللہ سے اصول برّ و اثم بطور کلیات مراد ہیں نہ کہ ان کے فروع و حدود۔ اور یہی وہ دین ہے جو اختلاف ازمنہ سے بدل نہیں سکتا ۔

عبداللہ بن مبارک نے حدیث مذکورہ بالا کے یہ معنے کئے ہیں کہ ہر ایک بچہ اپنی خلقت جبلی پر پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ جانتا ہے خواہ وہ سعادت ہو یا شقاوت غرض سب کا انجام کار اپنی خلقت فطری پر ہوتا ہے اور دنیا میں اُس کی خلقت کے مناسب اعمال اُس سے صادر ہوتے ہیں۔ علامت شقاوت یہ ہے کہ اُس کی ولادت یہودیوں کے گھر ہو ۔

اگر ان مختلف اقوال کو بہ نظر تعمق دیکھا جاوے تو ان میں آسانی سے تطبیق کی جا سکتی ہے اور نہ صرف تطبیق ہی ہو سکتی ہے بلکہ وہ جملہ اعتراضات بھی مندفع ہو جاتے ہیں جو فخر الاسلام سید احمد خاں صاحب کے اس قول پر کئے گئے ہیں کہ الاسلام ہو الفطرۃ والفطرۃ ہو الاسلام۔ ہم کو صرف دو امور پر غور کرنا ہے ۔

(۱) آیا یہ قول کہ الاسلام ہو الفطرۃ والفطرۃ ہو الاسلام قول جدید ہے یا علماء قدیم میں سے بھی کوئی اس کا قائل ہوا ہے ؟

(۲) آیا علماء کے باہمی اختلافات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کسی طرح رفع

بقیہ حاشیہ

میں تمیز کروں جن کی ابتدار امور تلقینات سے ہوتی ہے اور جن کی ہوسکتے ہیں؟

پہلا امر نہایت صاف ہے - جن علمار کی یہ رائے ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں فطرت سے مراد دین اسلام ہے جیساکہ **قاضی بیضاوی** وغیرہ کی رائے ہے تو وہ ظاہرا سید صاحب کے ہمراہ اس امر میں متفق الرائے ہیں کہ الفطرۃ ہو الاسلام پس اگر بعض دیگر علمار کی رائے اس کے خلاف بھی ہو تب بھی بہر حال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قول مذکورہ بالا کا پہلا جزو کوئی قول جدید نہیں ہے +

رہا دوسرا جزو یعنے الاسلام ہو الفطرۃ اُس کی نسبت صرف اس قدر لکھنا کافی ہوگا کہ اگر اسلام اور فطرت میں جانبین سے تصادق کلی ہے تو اس جملہ اور پہلے جملہ میں کچھ فرق نہیں ہے - لیکن اگر مفہوم فطرت بہ نسبت مفہوم اسلام عام ہے جیساکہ سید صاحب پر اعتراض کرنے والوں کا خیال ہے تو مورد اعتراض زیادہ تر پہلا جملہ ہے یعنے الفطرۃ ہو الاسلام - جب ہمارے علمار محققین نے اس قول کے اختیار کرنے میں تامل نہیں کیا تو یہ کہنا کہ الاسلام ہو الفطرۃ بطریق اولی درست ہے - فما قالہ فخر الاسلام حق و علیہ اعتقادي +

بغرض اس امر کے کہ ان مختلف اقوال میں تطبیق دی جائے منشأ اختلاف پر غور کرنا ضرور ہے - کچھ شک نہیں کہ یہ اختلاف اُس اعتراض سے بچنے کے واسطے کیا گیا ہے جو فطرۃ سے دین اسلام مراد لینے کی صورت میں وارد ہوتا ہے - معترض کہہ سکتا ہے کہ اگر انسان کے بچہ کو اپنی جبلت پر چھوڑ دیا جاوے اور اُسے کسی خاص مذہب کی تلقین نہ کی جاوے تو اُس کا کوئی مذہب نہ ہوگا اور وہ ہرگز مسائل معم

وجہ سے تمیز حق و باطل میں اختلافات ہوتے ہیں۔ پھر میں نے اپنے

بقیہ حاشیہ

و صلوٰۃ حسب دین اسلام اپنے ذہن سے اختراع نہ کریگا۔ پس یہ کہنا کب صحیح ہے کہ انسان دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور والدین کی تلقین سے وہ دیگر مذہب مثلاً یہودی یا مجوسی یا نصرانی اختیار کر لیتا ہے ‹

اس اعتراض کے خوف سے اور یہ یقین کرکے کہ فی الواقع بچہ دین اسلام پر پیدا نہیں ہوتا ہمارے علماء نے طرح طرح کے مسلک اختیار کئے ہیں۔ کسی نے کہا کہ فطرت سے مراد عہد میثاق ہے۔ کسی نے کہا کہ فطرت سے قبول حق کی عام استعداد مراد ہے۔ کسی نے توحید کہا۔ کچھ شک نہیں کہ ہمارے علماء نے اختلاف کرتے وقت مدلول لفظ اسلام پر کافی غور نہیں کی۔ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق دین اسلام وہ دین ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین تھا۔ اسلام وہ دین ہے جو ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور خاتم انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا دین تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر ان انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں پر بتفصیل نظر کی جاوے تو پہلی شریعتوں اور شرع محمدی میں بہت تفاوت معلوم ہوگا اور پہلی شریعتوں میں بھی اختلافات ملیں گے۔ باوجود اس کے جب ہم مسلمان سب انبیاء کے دین کو دین اسلام قرار دیتے ہیں تو بالکل ظاہر ہے کہ اسلام سے مراد اُس قدر مشترک سے ہے جو جمیع انبیاء علیہم السلام کے ادیان میں پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان خدائے واحد مطلق لاشریک لہٗ کی ہستی کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کرے اور اُسی کو اپنا معبود حقیقی سمجھے۔ یہی اسلام ہے جس کی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے حق تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ

ول میں کہا کہ جب سب سے اوّل مجھ کو حقایق امور کا علم مطلوب

لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ اسی دین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس ارشاد
خداوندی میں اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اسی دین کے
اختیار کرنے کی حضرت ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی تھی۔ کہا
قال اللہ تعالےٰ وَ وَصّٰی بِھَا اِبْرٰھٖمُ بَنِیْہِ وَ یَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ
الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ
الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَ اِلٰہَ
اٰبَآئِکَ اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰھًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ
پس اللہ واحد پر بہ جمیع صفات ایمان لانا اصل اصول اسلام ہے اور اسی واسطے سب
انبیار کا دین اسلام سمجھا جاتا ہے ورنہ اُن کی شریعتیں ازبس مختلف تھیں۔ مگر باوجود
اس اختلاف کے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ
وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ کَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ ۔ پس بے شک اُس حدیث
شریف میں جہاں فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر مولود ہوتا ہے اور اُس آیت میں جہاں
دین کو فطرت سے تعبیر کیا ہے فطرت سے مراد خواہ عہد میثاق ہو۔ خواہ اقرار ربوبیت
خواہ توحید یہ سب اُسی اصل اصول اسلام کے اظہار کے مختلف طریق ہیں اور
کچھ شک نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہونا اور اُس کو واحد مطلق یقین
کرنا انسان کے لئے ایک طبعی و فطری امر ہے۔ جن لوگوں کو آیت و حدیث مذکورہ بالا
پر شبہ ہوا ہے اُنھوں نے اسلام سے مراد دین محمدی سمجھی ہے حالانکہ مفہوم اسلام
اُس سے اعم ہے۔ باعتبار وضع لفظ حسب استعمال قرآن مجید ہر محمدی مسلمان ہے

ہے تو ضرور ہے کہ حقیقت علم معلوم کیجائے۔ پس مجھ کو معلوم ہوا کہ

علم یقینی کی تعریف علم یقینی وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے معلومات کا ایسا انکشاف ہو جاوے کہ اُس کے ساتھ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔ اور غلطی اور وہم کا امکان بھی اُس کے پاس نہ پھٹکنے پائے۔ اور ان امور کے احتمال کی دل میں گنجایش ہی نہ رہے۔ بلکہ غلطی سے محفوظ رہنے کے ساتھ اس قسم کا یقین ہو کہ اگر کوئی شخص اُس کے ابطال کے لئے مثلاً یہ دعوے کرے کہ میں پتھر کو سونا کر دیتا ہوں یا لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہوں تو اس امر سے بھی کوئی شک یا انکار پیدا نہ ہوسکے۔ کیونکہ جب میں نے یہ بات جان لی کہ دس زیادہ ہوتے ہیں تین سے تو اب اگر

بقیہ حاشیہ

الّا ہر مسلمان محمّدی نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابراہیمؑ کی اُمّت مسلمان تھی مگر ابراہیمی مسلمان نہ کہ محمّدی مسلمان۔ علیٰ ہٰذالقیاس موسیٰؑ کی اُمّت موسوی مسلمان تھی۔ اور ہم خاتم النّبیین کی اُمّت محمّدی مسلمان کہلاتے ہیں۔ الّا چونکہ سراج انبیاء حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تعلیم اصول اسلام کا بوجہ اتم و اکمل فرمائی اس لئے علی سبیل التغلیب یا علی سبیل الاختصاص عموماً اہل مسلمان وُہی سمجھے جاتے ہیں جو دین محمدی کے پیرو ہیں +

محال است سعدی کہ راہِ صفا + تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

گرچہ جہاں خدا نے انسان کے فطری دین کی طرف ارشاد فرمایا ہے۔ وہاں یقیناً اسلام بہ معنی اعم ہے نہ بمعنی دین محمّدی جو عموماً بطور مرادف اسلام استعمال کیا جاتا ہے + (مُترجم)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

نے اس قدر طول کھینچا کہ میرے دل کو اس بات کا بھی یقین نہ رہا کہ
محسوسات میں بھی غلطی سے بچ سکتے ہیں - میرا یہ شک در باب محسوسات
بڑھتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ محسوسات پر کس طرح اعتماد ہوسکتا ہے؟
دیکھو سب سے قوی قوت بینائی ہے مگر اُس کا بھی یہ حال ہے - کہ
وہ سایہ کی طرف دیکھتی ہے تو اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیرا ہوا
ہے ہلتا نہیں - اور نفی حرکت کا حکم دیتی ہے - لیکن ایک ساعت کے

دوڑائی مگر کوئی ایسی شے نظر نہ آئی - پھر اُس نے خیال کیا کہ اُس کا شک
در بارہ وجود عالم مادی صرف اُس صورت میں کلیتہً راست ٹھیر سکتا ہے - جب
اُس کو کم از کم اس شک کے وجود کی نسبت کوئی شک نہ ہو - اس طرح پر اُس نے
سب سے اوّل اپنے شک کا وجود یقینی قائم کیا مگر شک ایک قسم کا
خیال ہے اور خیال کے لئے ذی خیال کا ہونا ضرور ہے اس لئے وجود شک
سے اُس کو وجود نفس ذہن کا بھی قائل ہونا پڑا - پھر بتدریج نفس ذہن سے
استدلال کرتے کرتے وجود باری تعالیٰ ثابت کیا +

امام غزالیؒ صاحب فلسفیانہ تدقیق میں ڈے کارٹ سے کسی طرح پر کم نہ تھے
مگر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی توحید کا یقین اور خشیتہ اللہ جو اس معرفت
و یقین کا ضروری نتیجہ ہے اُن کے روح میں اس طرح راسخ ہوا تھا کہ وہ لحظہ بھر کے
لئے فرض محال کے طور پر بھی اُس سے انکار کے متحمل نہ ہوسکتے تھے اس لئے وہ صحت
ادراک حواس کا انکار کرکے اور اُس کے خطرناک نتایج دیکھکر بہت گھبرائے اور سخت مرض تک نوبت
پہونچی - مگر اُنھوں نے جلد دین کے مستحکم قلعہ میں پناہ لی + (مترجم)

[illegible]

الله

ایسا حاکم ہو کہ جب وہ تشریف لاویں تو عقل نے جو حکم کئے ہیں اُس میں وہ جھوٹی ہو جاوے۔ جیسے کہ حاکم عقل کے آنے سے حس اپنے حکم میں جھوٹی ہوگئی تھی اور ایسے ادراک کا اس وقت معلوم نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ ایسا ادراک حاصل ہونا محال ہے۔ پس میں اس بات کے جواب میں کچھ عرصہ دم بخود رہا۔ اور حالت خواب کی وجہ سے ان کا اشکال اور بھی زیادہ ہوگیا۔ میرے دل نے کہا کہ کیا تم خواب میں بہت سی باتیں نہیں دیکھتے اور بہت سے حالات خیال نہیں کرتے اور اُن کو ثابت و موجود یقین نہیں کرتے؟ اور حالت خواب میں اُن پر ذرا بھی شک نہیں کرتے؟ پھر جب جاگتے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے وہ تمام خیالات اور معتقدات بے اصل و بے بنیاد تھے۔ یہ اندیشہ کس طرح رفع ہو سکتا ہے کہ بیداری میں جن امور پر تم کو بذریعہ حواس یا عقل کے اعتقاد ہے ممکن ہے کہ وہ صرف تمھاری حالت موجودہ کے لحاظ سے صحیح ہوں لیکن ممکن ہے کہ تم پر ایک اور حالت طاری ہو جس کو تمھاری حالت بیداری سے وہی نسبت ہو جو اب تمھاری حالت بیداری کو حالت خواب سے ہے اور تمھاری موجودہ بیداری اُس کے لحاظ سے بمنزلہ خواب ہو۔ پس جب یہ حالت وارد ہو۔ تو تم کو یقین آوے کہ جو کچھ میں نے اپنی عقل سے سمجھا تھا وہ محض خیالات لا حاصل تھے +

(حاشیہ: خواب کے بنا پر کسی اور ادراک فوق العقل کا امکان)

کیا عجب ہے کہ یہ حالت وہ ہو جس کا صوفی

(حاشیہ: شاید یہ ادراک صوفیہ کو حاصل ہوتا ہے)

لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ جب ہم اپنے نفسوں
میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ اور اپنے حواس ظاہری سے غایب ہوجاتے
ہیں تو ہم اپنے حالات میں ایسے امور پاتے ہیں جو معقولات
موجودہ کے موافق نہیں۔ اور شاید یہ حالت موت ہو۔
کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمام لوگ حالت خواب
میں ہیں جب موت آئیگی تو وہ بیدار ہوں گے۔ سو شاید زندگی دنیا بلحاظ
آخرت حالت خواب ہے۔ جب موت آئیگی تو اُس کو بہت سی اشیاء خلاف
مشاہدہ حال نظر آئیں گی اور اُس کو کہا جائیگا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ
فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔ جب میرے دل میں یہ خیالات پیدا ہوئے تو
میرا دل ٹوٹ گیا اور میں نے اُس کے علاج کی تلاش کی مگر نہ ملا۔ کیونکہ
اس مرض کا دفعیہ بجز دلیل کے ممکن نہ تھا اور تا وقتیکہ بدیہات کی
ترکیب سے کلام مرتب نہ کیا جائے۔ کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن
جب وُہی مسلم نہ ہوں تو دلیل کی ترتیب ہی ممکن
نہیں ہے۔ پس یہ مرض سخت تر ہوتا گیا اور
دو مہینہ سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا۔ چنانچہ ان دو مہینوں میں میں
مذہب سفسطہ پر تھا لیکن بروئے خیالات و حالت دل نہ بروئے
تقریر و گفتگو۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس مرض
سے شفا بخشی۔ اور نفس پھر صحت و اعتدال پر آگیا۔ اور
بدیہات عقلیہ مقبول اور معتمد بن کر پھر امن و یقین کے

شاید یہ ادراک بحالت عاقل ہو

دو ماہ تک امام صاحب سفسطی خیالات رکھتے تھے +

ساتھ واپس آئیں - لیکن یہ بات کسی دلیل یا ترتیب کلام سے حاصل

له یہ تمام تقریر امام صاحب کی نہایت بودی ہے - امام صاحب کے یہ خیالات صرف قریب دو ماہ تک رہے - پھر اُن کو خود ان خیالات کی لغویت ظاہر ہوگئی - جیساکہ اُن کی اگلی تحریر سے ظاہر ہے یہاں یہ بات بھی بیان کرنی ضرور ہے کہ جو شبہات مذہب سفسطہ امام صاحب کے دل میں پیدا ہوئے تھے وہ حقیقت میں اُس قسم کے نہ تھے کہ از روے دلائل عقلیہ اُن کا رفع ہونا محال ہو - امام صاحب کا یہ کہنا کہ میں نے اس مرض سے بمدد دلائل عقلیہ نجات نہیں پائی بلکہ محض فضل خدا سے صرف اپنی کیفیت دلی کی حکایت ہے نہ اظہار ضعف دلائل عقلیہ - اہل سفسطہ کا واجبات ضروریہ و بدیہیات جلیہ سے انکار کرنا خود تناقض در تناقض پیدا کرتا ہے - ہم نے فرض کیا کہ حواس و عقل کے سب ادراکات ناقابل اعتبار ہیں اور کوئی علم ایسا نہیں ہے جس کو یقینی کہہ سکیں تاہم سفسطی کو کم از کم یہ تسلیم کرنا ضرور ہوگا کہ اُس کا علم نسبت عدم وثوق حواس کے یقینی ہے - کیونکہ اگر یہ بھی یقینی نہ ہو تو خود اُن کا انکار ضروریات باطل ٹھیرتا ہے - لیکن اگر اُس کا علم نسبت عدم وثوق حواس یقینی ہے تو کوئی وجہ اس امر کی ہونی ضرور ہے کہ خاص یہ علم باستثناء دیگر علوم و ادراکات کے کیوں یقینی سمجھا جائے - پس اس طریق استدلال سے لازم آتا ہے کہ یا تو اس علم کو ترجیحاً یقینی نہ سمجھا جاوے یا دیگر علوم کو بھی اُسی قسم کا تصور کیا جائے - ہاں یہ سچ ہے کہ حواس اپنے ادراکات میں بعض اوقات غلطی کرتے ہیں لیکن اس غلطی کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کبھی ایک

نہیں ہوئی بلکہ اُس نور سے حاصل ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا اور یہی نور اکثر معارف کی کلید ہے۔ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ کشف مجرد دلایل پر موقوف ہے تو اُس نے اللہ کی وسیع رحمت کو نہایت تنگ سمجھا۔ اور جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ شرح صدر کیا ہے اور اس قول خداوندی میں کہ فَمَنۡ

بقیہ حاشیہ

حاسّہ کے ادراکات سے دوسرے حاسّہ کے ادراک کی غلطی اور کبھی ایک شخص کے ادراک سے دوسرے شخص کے ادراک کی غلطی رفع ہو جاتی ہے۔ غلطیوں کی مثالیں جو پیش کی جاتی ہیں وہ یا تو ایسی ہوتی ہیں جن میں کسی خاص حاسّہ میں بباعث مرض وغیرہ کوئی فتور واقع ہوگیا ہو یا ایسی ہیں جن میں ادراک بجائے دفعۃً حاصل ہونے کے اس قدر تدریج سے حاصل ہو کہ کسی آنِ واحد میں شے مُدرکہ محسوس نہ ہو سکے یا شے مُدرکہ ایسی قلیل المقدار ہو کہ وہ غایت صغر کی وجہ سے محسوس ہونے کے قابل نہ ہو مگر انسان کا اس قسم کے مغالطات سے آگاہ ہوجانا اور یہ کہنا کہ حواس سے اس اس قسم کی غلطیاں واقع ہوا کرتی ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ گو فرداً فرداً اشخاص خاص اس قسم کی غلطیوں میں پڑ سکتے اور دھوکا کھا سکتے ہیں مگر آخر کار گروہ انسانی اُن غلطیوں کی خود ہی صحت کر لیتا ہے اور صحت کرنے کے واسطے محک و معیار ٹھہرا لیتا ہے۔ پس یہ مثالیں درحقیقت ادراکات انسانی کے صحیح اور واقعی ہونے کی تائید کرتی ہیں نہ کہ تردید۔ کیونکہ یہ کہنا ہی کہ ہم نے فلاں امر میں غلطی کی ہے اُس غلطی سے نکلتا ہے + (مترجم)

تو مطلوب نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ خود حاضر و موجود ہیں اور حاضر و موجود کو اگر طلب کیا جاوے تو وہ اُور بھی مفقود و مستور ہوجاتا ہے۔ اور جو شخص اُس چیز کو طلب کرتا ہے جو طلب نہیں ہو سکتی تو اُس پر کوئی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ اُس نے قابل طلب چیز طلب کرنے میں کیوں کوتاہی کی ہے +

اقسام طالبین

مدعیان حق کے چار فرقے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور بے انتہا جود سے مجھ کو اس مرض سے شفا بخشی اور اقسام طالبین میری رائے میں چار قرار پائے یعنے

اوّل۔ اہل کلام جن کا یہ دعوےٰ ہے کہ ہم ہی اہل الرّاے اور اہل النظر ہیں +

دوئم۔ اہل باطن جن کا یہ زعم ہے کہ ہم اصحاب تعلیم ہیں اور ہم میں یہ خصوصیت ہے کہ ہم نے ہی امام معصوم سے سینہ بسینہ تعلیم پائی ہے +

سوئم۔ اہل فلاسفہ جن کا یہ گمان ہے کہ ہم ہی اہل منطق و برہان ہیں +

چہارم۔ صوفیہ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم خاصان بارگاہ ایزدی و اہل مشاہدہ و مکاشفہ ہیں +

مناقضات نکالے جائیں اور اُن کے مسلمات کے لوازم پر گرفت کیجائے - لیکن یہ امور اُس شخص کو بہت ہی تھوڑا فائدہ پہونچا سکتے ہیں جو سوار بدیہیات کے کسی شئے کو مطلق تسلیم نہیں کرتا - اس لئے علم کلام میرے حق میں کافی نہ تھا - اور نہ جس درد کی مجھ کو شکایت تھی اُس سے اُس کو شفا ہوسکتی تھی +

کتب کلام میں لاطائل تدقیقات فلسفیانہ

خیر جب علم کلام نکلا اور اُس میں بہت خوض ہونے لگا اور مدت دراز گذر گئی تو اہل کلام بوجہ اس کے کہ وہ حقایق امور کی بحث اور جواہر و اعراض اور اُن کے احکام میں خوض کرنے لگے محافظت سنت کی حد سے تجاوز کرگئے - لیکن چونکہ یہ اُن کے علم سے مقصود نہ تھا اس لئے اُن کا کلام اس باب میں غایت حد تک نہ پہونچا اور اُس سے یہ حاصل نہ ہوا کہ اختلاف خلق سے جو تاریکی حیرت پیدا

حاشیہ

ٖلہ جس زمانہ میں مسلمانوں کا نیر اقبال اوج پر تھا تو اُن میں علوم حکمیہ یونان کا کثرت سے رواج ہوا - اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن علوم کے مسائل حکمیہ اور اس زمانہ کے مسائل مجتہدہ اسلام میں اختلاف دیکھکر بہت سے اہل اسلام کے عقاید مذہبی میں تزلزل آگیا تھا - ان علوم حکمیہ کے ملحدانہ اثر روکنے کے لئے ہمارے علمار سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے علم کلام نکالا +

متقدمین علمار کلام کی تصنیفات نہایت سلیس و مختصر و کار آمد ہوتی تھیں مگر رفتہ رفتہ فلسفی مزاج متکلمین نے اُس کو ایک مبسوط فن قرار دے لیا جو جملہ دقیق مسائل منطق و فلسفہ و طبعیات کا متکفل ہوگیا ہے - چونکہ یونانی فلسفہ و

معلوم تھا کہ جب تک کوئی شخص اصل علم میں اُس علم کے سب سے
بڑے عالم شخص کے برابر ہوکر بلکہ انتہا کو نہ پہونچ جاوے۔ اور پھر
ترقی کرکے اُس کے درجہ سے تجاوز نہ کر جاوے۔ اور اُس علم کی
دشواریوں اور آفات سے اس طرح اطلاع حاصل نہ کرلے کہ اُن سے
وہ عالم بھی واقف نہ ہو۔ تب تک علم فلسفہ کی کسی قسم فساد سے واقف
نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں یہ امر ممکن ہے کہ علم مذکور
فساد کی نسبت جوکچھ اُس کا دعوے ہوگا وہ صحیح ہوگا۔ لیکن
میں نے علماء اسلام سے کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں[1] دیکھا جسنے

حاشیہ

[1] اس زمانہ میں بھی ہمارے علماء اہل اسلام کو اسی آفت نے گھیر رکھا ہے۔ وہ علوم جدیدہ سے محض جاہل ہیں۔ مگر باوجود اس کے اُن مسائل پر جو اُن علوم پر مبنی ہیں گفتگو کرنے بلکہ اُن کی تردید کرنے اور ان مسائل کے ابطال میں کتابیں لکھنے اور اُن مسائل کے قائلین کی نسبت کفر کے فتوے دینے کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں ہندوستان بھر میں ہمارے علماء دین کے گروہ میں ایک بھی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس نے حسبۃً للہ خدمت دین کی غرض سے علوم جدیدہ میں دستگاہ کامل پیدا کرنے کی محنت اپنے اوپر اُٹھائی ہو۔ اور جو اعتراضات ان علوم کے رُو سے اسلام پر وارد ہوتے ہیں اُن سے کماحقہ واقفیت پیدا کی ہو۔ اور پھر اُن اعتراضات کے اُٹھانے میں حتی المقدور کوشش کی ہو۔ اس زمانہ میں ہمارے علماء کی تحقیق صرف اس امر میں محصور ہے کہ اگر کوئی شخص واقعات نفس الامری کی بناء پر جو حسب تحقیقات علوم جدیدہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوئے ہیں اسلام پر کوئی اعتراض

اس کی طرف ہمت کی ہو - یا تکلیف اُٹھائی ہو - اور کتب اہل علم
کرے تو یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ادراکات حواس انسانی میں غلطی کا ہونا ممکن ہے
پس یہ ایک مختصر سا انچھر ہے جو زمانہ بھر کے کل علوم حکمیہ کی تردید کے لیئے
کافی ہے۔اگر کوئی اور شخص اپنی استعداد کے موافق اُن اعتراضات کے رفع کرنے
کی کوشش کرتا ہے - تو ہمارے علماء اُس کی تکفیر کرتے ہیں ٭

جب تک ہمارے علماء دین مخالفین کے علوم میں اُس درجہ تک ترقی نہیں
کرنے کے جو امام غزالیؒ صاحب نے تحریر فرمایا ہے - یعنے جب تک وہ اصل
عالمان علوم جدیدہ کے برابر معلومات کا ذخیرہ جمع نہ کریں - اور اُن معلومات کے پڑھانے
کے وسائل اپنے لئے مہیا نہ کرلیں - تب تک ناحق کی کج بحثیاں کرنا - اور اُن
واقعی امور کے مقابلہ میں جو مشاہدہ اور تجربہ سے مسلم ٹھیر چکے ہیں قیاسی دلایل
ڈھونڈنا یا غلطی ادراکات کے رکیک حیلے نکالنا - اور اپنے پوچ اقوال کی تائید
میں آیات قرآن مجید پیش کرنا اسلام کو ضعیف اور کلام الٰہی کا مضحکہ کروانا
ہے ٭

اگر درحقیقت کسی کے دل پر اسلام کی واجب الرحم حالت سے چوٹ لگتی ہے اور مغربی
دنیا کے علوم سے جو طوفانہ زہریلا اثر دین اسلام پر پڑ رہا ہے اُن کو روکنا خدمت دین سمجھتا
ہے تو اُسکو چاہئے کہ کمر ہمت باندھ کر امام غزالیؒ کی طرح مخالفین کے علوم حکمیہ کی تحصیل
کے درپے ہو جب وہ شخص ان علوم میں فضیلت حاصل کرچکیگا تب دنیا اُسکو اس قابل سمجھے گی کہ جو کچھ وہ
کہے اُسکو التفات سے سنے اور اُس کی تحریر و تقریر کو قابل قدر و وقعت اور اُسکو قابل خطاب سمجھے جسکو یہ
ثواب حاصل کرنا ہو وہ اس کام کا بیڑا اُٹھائے فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا ۝ (مترجم)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قسم دوم طبعیہ -	۲- طبعیہ

ان لوگوں نے عالم طبعیات اور عجائبات حیوانات اور نباتات پر زیادہ تر بحث کی ہے۔اور علم تشریح اعضائے حیوانات میں زیادہ خوض کیا ہے۔اور اُن میں عجائب صنع باری تعالیٰ و آثار حکمت پائے ہیں۔پس لاچار اُنھوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ضرور کوئی بڑی حکمت والا قادر مطلق ہے جو ہر امر کی غایت اور مقصد پر اطلاع رکھتا ہے۔کوئی ایسا نہیں کہ علم تشریح اور عجائب منافع اعضا کا مطالعہ کرے اور اُس کو بالضرور یہ علم حاصل نہ ہو کہ ساخت حیوان اور خصوصاً ساخت انسان کا بنانے والا اپنی تدبیر میں کامل ہے۔لیکن چونکہ ان لوگوں نے زیادہ تر بحث طبعیات سے کی ہے اس لئے اُن کی رائے میں قوائے حیوانیہ کے قیام میں اعتدال مزاج کو بہت بڑی تاثیر ہے۔بدینوجہ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انسان کی قوت عاقلہ بھی تابع مزاج انسانی ہے اور مزاج کے باطل ہوجانے سے وہ بھی باطل ہوکر معدوم ہوجاتی ہے۔اور جب وہ معدوم ہوگئی تو پھر بموجب ان کے زعم کے اعادۂ[1] معدوم

[1] منجملہ اُن مباحث کلامیہ کے جن پر ہمارے علمار متکلمین نے مشکل مشکل اور لاطائل بحثیں کی ہیں ایک مسئلہ اعادہ معدوم ہے۔ یعنے یہ مسئلہ کہ آیا جو شے نیست و نابود ہوجائے وہ بعینہ پھر پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں۔ جمہور حکمار اور بعض متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ اعادہ معدوم محال ہے۔ یعنے کوئی شے نیست و نابود ہوکر بعینہ پھر پیدا نہیں ہوسکتی۔ دیگر متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ اعادہ معدوم جائز ہے۔جو امتناع اعادہ

کسی طرح متصور نہیں - پس وہ اس امر کی طرف گئے ہیں کہ روح مرجاتی ہے - اور پھر عود نہیں کرتی - اس لئے انھوں نے آخرت کا اور بہشت و دوزخ کا اور قیامت و حساب کا انکار کیا ہے - غرض اُن کے نزدیک نہ کسی طاعت کا ثواب ہے نہ کسی گناہ کا عذاب - پس وہ بے لگام ہوگئے ہیں - اور بہایم کی طرح شہوات میں منہمک ہیں - یہ لوگ بھی زندیق ہیں کیونکہ ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ اور یوم آخرت پر یقین کیا جائے - اور یہ لوگ اگرچہ اللہ اور اُس کی صفات پر تو ایمان لائے ہیں مگر یوم آخرت سے منکر ہیں +

| ۳ - الٰہیہ | قسم سوم الٰہیہ +

یہ لوگ متاخرین اہل فلسفہ ہیں اور ان ہی میں سے سقراط ہے

بقیہ حاشیہ

اعادہ معدوم کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر جواہر و ذوات باسرہا معدوم ہو جاویں تو شخص مُعاد بعینہٖ شخص اوّل جس پر عدم طاری ہوا تھا نہ ہوگا - اور اس لئے اس صورت میں ایصال ثواب و عقاب بھی ممکن نہ ہوگا +

علاوہ ازیں وہ کہتے ہیں کہ منجملہ دیگر تشخصات موجودات کے زمان بھی ہے - پس اگر اعادہ معدوم مع جملہ تشخصات ممکن ہو تو اعادہ زمان بھی لازم آئے گا - جو ناممکن ہے - اس کے جواب میں ہمارے علمأ نے طول طویل بحثیں کی ہیں - اور حق الامر یہ ہے کہ اگر زمان کو تشخصات میں داخل سمجھا جاوے تو جواز اعادہ معدوم ثابت کرنا محال ہے + (مترجم)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سوائے اَوْر اشخاص نے اگر کچھ لکھا بھی ہے تو اُن کے دلایل خلط ملط ہیں اور

بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے۔ وہ اُن کی تحریر سے ظاہر ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ دیگر حکمائے نے بھی علوم فلاسفہ میں کتابیں لکھی ہیں الّا اُن کی تحریریں ایسی واضح نہیں ہیں جیسی بوعلی سینا کی ہیں۔ اس لئے بوعلی سینا کی تحریر سے لوگوں کے عقاید میں فتور آنے کا زیادہ تر اندیشہ ہے۔ دوسرے مصنّفوں کی تحریریں خلط ملط ہیں جن سے پڑھنے والوں کا دل اُکتا جاتا ہے۔ اور ذہن مشوّش ہوجاتا ہے +

امام صاحب کی اوّل تو یہ سخت غلطی ہے۔ کہ تکفیر کا مدار نفس خیالات مصنف پر رکھنے کے بجائے اُس اثر پر رکھا ہے جو اُس کی تصنیف سے پڑھنے والوں پر مترتب ہوتا ہے۔ اگر یہ اصول تکفیر تسلیم کیا جاوے۔ تو خداوند تعالیٰ کے اس قول کی نسبت جہاں قرآن مجید کی نسبت فرمایا ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا کیا سمجھا جائیگا +

دوم یہ نہایت پست ہمتی و بزدلی ہے۔ کہ امام **غزالیؒ** سا جیّد عالم مذہب اسلام کو فلسفہ کے روبرو لانے سے ڈرے۔ اور غایت نصرت دین اس میں تصوّر کرے کہ مسلمانوں کے کانوں اور آنکھوں کو کلام فلاسفہ کے سُننے اور پڑھنے سے باز رکھے۔ کیا حقیقت میں مذہب اسلام ایسا بودا ہے۔ کہ وہ علوم حکمیہ کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے۔ کہ لوگوں کی آزاد رائے کو دباکر اور بذریعہ فتوئے کفر تخویف کام میں لاکر شیوع علوم کو روکنے سے مذہب کو دوامی استحکام و نصرت حاصل ہوسکے۔ ہرگز نہیں۔ اس قسم کے کفر کے فتووں کے دینے اور مخالف رایوں کے دبانے کا دنیا میں ہمیشہ یہ نتیجہ ہوا ہے۔ کہ ضدیت کو قوت اور مخالفت کو اَوْر زیادہ تر اشتعال ہوا ہے +

خالی از خبط نہیں۔ پڑھنے والے کا دل گھبرا جاتا ہے اور وہ نہیں

بقیہ حاشیہ

امام صاحب کے زمانہ میں بعض کتب حکمیہ کے ترجمے نہایت ناقص اور ناقابل فہم ہوئے تھے۔ امام صاحب خوش ہوتے تھے۔ کہ نہ یہ ترجمے کسی کی سمجھ میں آویں گے نہ اُن کے عقاید میں فتور واقع ہوگا۔ اور جن لوگوں نے یہ ناقص ترجمے کئے تھے۔ اُن کے حق میں امام صاحب نے یہ رعایت فرمائی۔ کہ اُن کو کافر نہیں کہا۔ مگر بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی۔ آخر وُہی علوم حکمیہ جن کو امام صاحب دبانا چاہتے تھے دنیا میں پھیلے۔ اور آجکل اس کثرت سے شایع ہوئے ہیں۔ کہ گلی کوچوں میں پھیل گئے ہیں۔ اور گو اُن کو بالتفصیل جاننے والے اس ملک میں ابھی کسی قدر کم ہیں۔ الّا اُن علوم کے نتایج اور امور محققہ سے عوام تک آگاہ ہوگئے ہیں ٭

یہ تائید و نصرت دین تھی امام غزالیؒ صاحب کی۔ مگر اس زمانہ کا ایک محقق لکھتا ہے۔ کہ "کوئی مذہب ایسا دنیا میں نہیں ہے۔ جو دوسرے مذہب پر گو وہ کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو اپنی ترجیح بہمہ وجوہ ثابت کردے۔ مگر یہ رتبہ صرف اُسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں۔ کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جس کو میں ٹھیٹ اسلام کہتا ہوں" وہ کہتا ہے کہ کوئی لفظ اسلام کا ایسا نہیں ہے جس پر بحث سے کچھ اندیشہ ہو اور سچ میں یہی خوبی ہے کہ اُس کو بحث سے اندیشہ نہیں ہے" ٭

اب دیکھنا چاہیئے کہ اصلی طریقہ تائید و نصرت اسلام کا وہ ہے جو امام صاحب نے اختیار کیا تھا۔ یا وہ جو اس پچھلے شخص نے اس زمانہ میں اختیار کیا ہے ٭ (مترجم)

جان سکتا کہ میں کیا سمجھا اور کیا نہ سمجھا۔ اور نہ یہ جان سکتا ہے کہ کس امر کو قبول کرنا چاہئے۔ اور کس کو رد کرنا چاہئے ۔

ہمارے نزدیک فلسفہ ارسطا طالیس سے جو کچھ حسب نقل ان دو شخصوں کے صحیح ہے اُس کی تین قسمیں ہیں ۔

اوّل قسم ۔ وہ جس سے تکفیر واجب ہے ۔

دوم قسم ۔ وہ جس سے بدعتی قرار دینا واجب ہے ۔

سوم قسم ۔ وہ جس کا انکار ہرگز واجب نہیں ۔

اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں ۔

اقسام علوم فلاسفہ

علوم فلسفیہ کے چھ اقسام ۔

جاننا چاہئے کہ اُس غرض کے اعتبار سے جس کے لئے ہم علوم کی تحصیل کرتے ہیں ۔ علوم فلسفہ کی چھ قسمیں[۱] ہیں ۔

(۱) ریاضی ۔ (۲) منطق ۔ (۳) طبعیات ۔ (۴) الٰہیات ۔ (۵) سیاست مدن ۔ (۶) علم اخلاق ۔

۱ ۔ ریاضی

علم ریاضی ۔ یہ علم متعلق ہے حساب و ہندسہ و علم ہیئت عالم سے

حاشیہ

[۱] احیاء العلوم میں امام صاحب نے علم فلسفہ میں صرف چار علوم ریاضی ۔ منطق ۔ الٰہیات ۔ طبعیات کو شامل کیا ہے مگر کچھ شک نہیں کہ علم سیاست مدن اور علم اخلاق بھی فلسفہ میں داخل ہیں اور حکماء حال بھی ان ہر دو علوم کو داخل علم فلسفہ سمجھتے ہیں ۔ (مترجم)

اور اُن کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے کوئی امر دینی متعلق نہیں
بلکہ یہ امور استدلالی ہیں کہ ان علوم کو جاننے اور
سمجھنے کے بعد اُن سے انکار ہو ہی نہیں سکتا
مگر ان علوم سے دو آفتیں[۱] پیدا ہوئی ہیں +

علوم ریاضی سے دو آفتیں پیدا ہوئیں

حاشیہ

[۱] جن دو آفتوں میں امام صاحب کے زمانہ کے مسلمان مبتلا تھے اُنھیں آفتوں میں زمانہ حال کے مسلمان بھی مبتلا ہیں۔ پہلی آفت میں مبتلا تو اُن لوگوں کا گروہ ہے جنھوں نے علوم حکمیہ جدیدہ میں تعلیم پائی ہے۔ چونکہ اُنھوں نے ہیئت و کیمیا و طبعیات میں کمال درجہ کی مزاولت پیدا کی ہے ان علوم کے براہین واضح نے جو سراسر مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہیں اُن کی طبیعتوں کو ہر امر کے ثبوت میں دلایل یقینی طلب کرنے کا عادی بنا دیا ہے۔ اور اُن کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ اگر فی الواقع دنیا میں کوئی سچائی ہے تو اُس کے ثبوت میں ایسے ہی قطعی دلایل ضرور مل سکتے ہوں گے۔ لیکن مذہب کے لئے ایسے قطعی ثبوت کا ملنا ہماری موجودہ خلقت کی حالت میں ناممکن ہے۔ مذہب کے ثبوت سے میری مراد اُن فروعی مسائل سے نہیں ہے جن کا بتمامہ قطعی دلایل سے ثابت ہونا ظاہرا امر محال ہے۔ بلکہ میری مراد اصل اصول جملہ مذاہب سے ہے جس سے کسی اہل مذہب کو مفر نہیں ہے۔ مثلاً ہر اہل مذہب کو خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی مسلمان ہو یا آزاد منش خود پسند براہمو۔ خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین کرنا ضرور ہے مگر کیا اس یقین کے لئے ایسے قطعی دلایل مل سکتے ہیں جیسے اس دعوے کے ثبوت کے لئے کہ مثلث کے کوئی سے دو ضلع ملکر تیسرے ضلع سے بڑے ہوتے ہیں

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

ہے کہ یہ لوگ کافر اور معطل تھے اور امور شرعی میں سستی کرتے تھے۔
اس لئے وہ محض تقلید کا انکار کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر دین

بقیہ حاشیہ

دوسری آفت اہل اسلام پر خود علمائے دین کی طرف سے آئی ہے جنکو امام صاحب نے واجبی طور پر **اسلام کے جاہل دوست** کا لقب دیا ہے۔ یہ مقدس گروہ مخالفت علوم حکمیہ جدیدہ کو شرط اتقا و دینداری سمجھتا ہے۔ اور اُن تمام واقعات نفس الامری سے جو ان علوم میں بذریعہ تجربہ و مشاہدہ ثابت ہوچکے ہیں۔ اور جن کا متحقق ہونا تمام عقلائے عالم نے تسلیم کرلیا ہے انکار کرتے ہیں۔ اور صرف اس حیلہ پر کہ حواس انسانی کی ادراکات میں غلطی کا ہونا ممکن ہے اپنے تئیں اور تمام عقلاء کو اندھا اور بہرا کہلانا گوارا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ از روئے مذہب اسلام یہ یقین کرنا ضرور ہے کہ زمین ساکن ہے اور آفتاب اُس کے گرد گردش کرتا ہے اور آسمان مجوف کروی جسم گنبد یا چورس چھت کی مانند ہے۔ اور تمام ستارے اُس میں جڑے ہوئے ہیں۔ اور اُس میں چوکھٹ کواڑ۔ قبضے۔ کڑے۔ کنڈے سب لگے ہوئے ہیں +

جلال الدین سیوطی نے آیات قرآنی اور روایات اسلامی سے اخذ کرکے ایک ہیئت اسلامی بنائی ہے۔ اور اُس پر ایک رسالہ مسمی بہ الہیئۃ السنیہ تحریر کیا ہے۔ فخر الاسلام **سید احمد خاں** صاحب نے اس رسالہ کے بعض مضامین کو اپنی ایک تحریر میں مختصراً بیان کیا ہے جو ہم یہاں بجنسہ نقل کرتے ہیں +

وہ لکھتے ہیں کہ عرش یعنے فلک الافلاک کے گرد چار نہریں ہیں۔ ایک نور کی ایک تار کی۔ ایک برف کی۔ ایک پانی کی۔ پھر لکھا ہے کہ کل دنیا کے لوگوں کی

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

حسن چکتا ہے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حق الامر یہ ہے کہ دین سے
اعراض و انکار کیا جائے میں نے بہت سے اشخاص دیکھے ہیں جو

بقیہ حاشیہ

پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اُن کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام دلایل قطعی کے انکار اور جہالت پر مبنی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فلسفہ سے رغبت اور اسلام سے نفرت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی نصرت ہوگی اُس نے حقیقت میں دین اسلام پر سخت ظلم کیا +

مگر امام صاحب کا یہ کہنا کہ یہ دونوں آفتیں فلسفہ سے پیدا ہوئی ہیں کلی طور پر صحیح نہیں ہے۔ آفت اول کی نسبت شاید کسی قدر یہ خیال صحیح ہو مگر دوسری آفت خود علمائے دین نے اپنی جہالت سے پیدا کی ہے۔ اور وہ جہالت علوم حکمیہ و فلسفہ کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ چونکہ یہ آفت علوم حکمیہ سے جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اس لئے من وجہ اُن علوم کو اُس کا باعث سمجھنا چاہئے۔ تو معاذ اللہ اسی طرح یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام کفر و ضلالت کا موجب قرآن مجید ہے۔ کیونکہ کفر و ضلالت بھی قرآن مجید سے جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے +

یہ دوسری آفت اسلام کے جاہل دوستوں کی محض اپنی حماقت کا نتیجہ ہے۔ بلکہ اس آفت نے کچھ شک نہیں کہ پہلی آفت کو اَور بھی خطرناک بنا دیا ہے کیونکہ علوم حکمیہ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اپنی دلایل یقینیہ و مسائل قطعیہ کے ذریعہ سے نوجوانوں کے دلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اُس کے مقابلہ میں ہمارے علماء نے دین اسلام کو نہایت بھدی۔ بدنما۔ کریہہ منظر ڈراونی صورت میں پیش

صرف اتنی ہی بات سے راہ حق سے بھٹک گئے اور جن کے پاس
سوائے اتنی بات کے اَور کوئی سند نہیں تھی۔ جب ایسے شخص
کو یہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص ایک صفت خاص میں کامل ہو ضرور
نہیں کہ وہ ہر ایک صفت میں ویسا ہی کامل ہو۔ مثلاً جو شخص
علم فقہ یا کلام میں ماہر ہو ضرور نہیں کہ وہ طبیب حاذق بھی ہو اور
نہ یہ ضرور ہے کہ جو معقول سے ناواقف ہو وہ علم نحو سے بھی ناواقف
ہو بلکہ ہر کارے و ہر مردے۔ ایسے لوگ اپنے فن کے شہسوار و
ماہر کامل ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اَور چیزوں میں محض احمق و جاہل ہوں
پس اوائل فلاسفہ کا کلام در باب علوم ریاضی استدلالی ہے اور در باب
الٰہیات محض ظنی۔ اس کی معرفت اُسی کو حاصل ہوسکتی ہے جس نے

بقیہ حاشیہ

کیا۔ کیا اسلام کی حقیقت میں ایسی ہی صورت ہے جیسے ان خدا ناترسوں نے دنیا
پر ظاہر کی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسلام کی یہ صورت اُن لغو و مہمل و موضوع اقوال
سے بن رہی ہے جو لوگوں نے اپنی طرف سے اُن میں ملائے ہیں اور یقین دلایا ہے کہ یہ
جزو مذہب اسلام ہیں۔ اب وقت ہے کہ یہ اسلام کے جاہل دوست اُس کے سچے اور خالص
دوست بنیں۔ اور اس زمانہ میں جو عیب اسلام پر لگائے جاتے ہیں وہ اپنے اوپر لیں
اور اعتراف کریں کہ جن امور کو دنیا نے موردِ طعن و تشنیع ٹھیرایا ہے وہ ہمارے
اور ہمارے باپ دادوں کے اپنے اقوال ہیں جو اسلام میں مختلط ہوگئے ہیں۔ ورنہ
مذہب اسلام اُن تمام عیوب سے مبرّا و منزّہ ہے ◆

اسلام بذاتہٖ خویشتن ندارد عیبے ◆ ہر عیب کہ ہست در مسلمانیٔ ماست

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

یہ امور دلیل قطعی سے معلوم ہوچکے ہیں تو اُس کو اپنی دلیل میں تو کچھ
شک پیدا نہیں ہوتا لیکن اُس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام اسی
دلیل قطعی کے انکار اور جہل پر مبنی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فلسفہ کی
محبت اور اسلام کی طرف سے بغض روز بروز ترقی پاتا ہے۔ پس جس
شخص نے یہ گمان کیا کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی نصرت ہوگی
اُس نے حقیقت میں دین اسلام پر سخت ظلم کیا۔ شرع میں ان علوم کے
نفی یا اثبات سے کچھ بھی تعرض نہیں کیا گیا۔ اور نہ ان علوم میں کوئی
ایسی بات ہے جس کو امور دینی سے تعرض ہو۔ اس قول نبوی صلعم میں

حاشیہ

۵ علم ہیئت کی نسبت جو کچھ امام صاحب نے تحریر فرمایا ہے وہ نہایت صحیح
اور معقول ہے۔ اور جو نصیحت امام صاحب نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو پانچویں
صدی کے اخیر میں کی تھی وہ اس چودھویں صدی کے مسلمانوں کی رہنمائی
کے لئے بھی ازبس مفید و ضرور ہے۔ شاید کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا
ہو کہ امام صاحب کی یہ تحریر صرف علم ہیئت قدیم یونانی سے متعلق ہوسکتی ہے۔
جس کا اُن کے زمانہ میں رواج تھا۔ لیکن امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ
بالتخصیص کسی خاص نظام ہیئت سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ علم ہیئت کی نسبت
عام طور پر رائے ظاہر کی گئی ہے۔ خواہ وہ نظام بطلیموسی ہو۔ یا نظام
فیثاغورثی یا کوئی اور نظام۔ صرف دو امور قابل لحاظ ہیں۔ اوّل یہ کہ امام صاحب
نے بالعموم اُن امور محققہ کے انکار کو جو قطعی دلایل ہندسیہ سے ثابت ہوگئے ہیں
موجب تضحیکِ دین اسلام سمجھا ہے۔ دوئم یہ کہ قدیم ہیئت یونانی سے بعض

کہ چاند اور سورج منجملہ اللہ کی نشانیوں کے ہیں۔ جن کا خسوف نہ کسی کی موت کے سبب ہوتا ہے اور نہ کسی کی حیات کے باعث۔

ایسے مسائل کی جو حسب روایات اسلامی و تفسیر علماء مفسرین داخل عقاید اسلام سمجھے جاتے تھے تکذیب ہوتی تھی۔ مثلاً ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کی راہ کا فاصلہ ہونا۔ آسمانوں میں دریا کا ہونا۔ آفتاب کا گرم پانی کے چشمہ میں ڈوبنا۔ شہاب ثاقب کا شیاطین کی مار کے واسطے پھینکا جانا۔ سکون زمین کے لئے پہاڑوں کا بطور میخوں کے گاڑا جانا۔ زلزلہ زمین کا بوجہ گناہ خلقت کے وقوع میں آنا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام مسائل کی یونانی علم ہیئت تکذیب کرتا ہے۔ مگر باوجود اس کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس علم کو نفیاً یا اثباتاً دین اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب ان لغو و مہمل روایات کو جن کا ہم نے اوپر اشارہ کیا داخل مذہب نہیں جانتے تھے اور خاص دین اسلام کو ان عیوب سے مبرا سمجھتے تھے۔ لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا امام صاحب کے پاس ایسی کونسی کسوٹی تھی جس سے وہ صحیح و غیر صحیح روایات میں تمیز کر لیتے تھے۔ اور جائز اور ناجائز کا فتوے دیدیتے تھے۔ منقولات میں تو بجز کلام الٰہی کے اور کسی کسوٹی کا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ وہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس کی صحت کی نسبت کوئی مسلمان دم نہیں مار سکتا۔ اس کے سواء جتنی اور کسوٹیاں خیال میں آتی ہیں اُن کی صحت متفق علیہ نہیں ہے۔ اور اُن کی صحت کے لئے اور کسوٹی کی تلاش کرنی پڑتی ہے +

البتہ معقولات میں تجربہ و درایت ایسی فطری کسوٹیاں ہیں جن کے ذریعہ

[illegible]

ذریعہ سے چاند و سورج کی رفتار یا اُن کا ایک وجہ مخصوص پر اجتماع یا تقابل معلوم ہوتا ہے - قول مذکورہ بالا میں جو الفاظ لٰکِنَّ اللّٰہ اِذَا تَجَلّٰی

سمجھتا ہے کہ ان مسائل ہیئت کا ابطال داخل دینداری ہے وہ دین پر ظلم کرتا ہے اور اُس کو ضعیف بناتا ہے - ان مسائل محققہ علم ہیئت پر ہندسہ و حساب کے رُو سے ایسے دلایل قطعی قائم ہوچکے ہیں کہ اُن میں شک کی مجال نہیں ہے - جو شخص ان دلایل سے واقف ہو اور اُسنے اُنکی خوب تحقیق کر لی ہو اور وہ حساب کے رُو سے کسوف و خسوف کی پہلے سے خبر دیدے اور یہ بھی بتادے کہ کسقدر اور کتنی دیر تک کسوف و خسوف رہیگا - اُسکو اگر یہ کہا جائے کہ تمھارا قول خلاف شرع ہے تو اُس کو اپنے قول کے یقینی ہونے میں تو شک ہونے سے رہا ہی - ہو نہ ہو شرع کی صداقت میں ہی اُس کو شبہ پیدا ہوگا - پس بقول شخصے کہ جاہل دوست سے عاقل دشمن بہتر ہے جو لوگ شرع پر معقول طریقہ سے طعن کرتے ہیں اُن سے مذہب اسلام کو اس قدر ضرر نہیں پہونچتا جس قدر اُن لوگوں سے پہونچتا ہے جو بیڈھنگے طور پر شرع کی مدد کرنا چاہتے ہیں - اب اگر کوئی کہے - کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ شمس و قمر منجملہ آیات خداوندی ہیں ان کا کسوف و خسوف کسی کے مرنے یا جینے سے تعلق نہیں رکھتا - جب تم کسوف و خسوف ہوتا دیکھو اللہ کی یاد کرو اور نماز پڑھو - اب اگر علمائے ہیئت کا قول صحیح ہے تو اُس کو اس حدیث سے کیا نسبت ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث اور قول مذکورہ بالا میں تناقض نہیں ہے - کیونکہ حدیث مذکورہ میں صرف دو باتیں بیان ہوئی ہیں - ایک تو یہ کہ کسوف و خسوف کسی کے مرنے جینے سے تعلق نہیں رکھتے - اور دوسرے یہ کہ کسوف و خسوف کے وقت نماز پڑھو لیکن

یلتشئ خضع لہٗ بیان کئے جاتے ہیں وہ صحاح ستہ میں ہرگز موجود نہیں +

جب شرع میں قریب وقت زوال و غروب وطلوع شمس کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو کسوف شمس کے وقت بھی استحباباً نماز کے حکم دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک اَور حدیث میں آنحضرت صلعم نے اتنا اَور زیادہ فرمایا ہے کہ جب کسی شے پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے تو وہ شے اُس کے آگے سرنگوں ہو جاتی ہے۔تو اُس کا یہ جواب ہے کہ اوّل تو ان زائد الفاظ کی صحت مشتبہ ہے۔ اندریں صورت راوی کی تکذیب واجب ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو امور قطعیہ کے انکار کی بہ نسبت ایسی روایت کی تاویل کرنا سہل تر ہے۔ بہتیری جگہ بعض ایسے دلایل قطعیہ کی وجہ سے جو وضوح میں اس حد تک نہیں پہونچتے تھے جس قدر دلایل در بارہ کسوف و خسوف پہونچتے ہیں ظاہر آیات کی تاویل کرنی پڑی ہے +

امام صاحب کی اس تمام تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر روایات و مسائل مذہبی میں کوئی امر جو منجملہ مہمات اصول دین نہ ہو کسی مسئلہ مسلمہ علوم حکمیہ کے مخالف پایا جائے۔اور مسئلہ حکمیہ کے ثبوت میں دلایل قطعی موجود ہوں۔تو ایسے امر مذہبی کی تاویل کرنی لازم ہوگی۔ دلایل قطعی کی تعریف اور اُن کی شرایط فی الحال ہمارے مقصود سے خارج ہیں۔ اس لئے ہم اُن پر اِس وقت بحث کرکے خلط بحث کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ جن دلایل پر ہیئت جدید مبنی ہے وہ دلایل ہیئت یونانی سے بدرجہا زیادہ یقینی ہیں۔ اور اگر امام صاحب دلایل علم ہیئت

علم ریاضی کی حکمت اور آفت تو یہ تھی جو بیان کی گئی +

۳۔منطق ۴ ۔منطقیات ۔ اس علم کا کوئی مسئلہ بطور نفی یا اثبات دین سے

یونانی کو قطعی قرار دیتے ہیں ۔ تو ہیئت جدید کے دلایل کو اُن کے مقابلہ میں مشاہدہ عینی یا عین الیقین کہنا چاہیئے ۔ علاوہ ازیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے علماء زمانہ حال کا اس بنار پر علوم حکمیہ کی مخالفت کرنا کہ اُن سے تکذیب عقاید دینی کی ہوتی ہے فی الواقع کہاں تک صحیح ہے ۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ہمارے علماء مفسرین نے جو کچھ رطب دیا بس اُن آیات کی تفسیر میں لکھا ہے جن میں اجرام سماوی کا کچھ ذکر آیا ہے ہیئت یونانی اُس کی صاف تکذیب کرتا ہے ۔ پس اس قسم کا الزام (اگر ایسا الزام لگ سکتا ہو تو) سراسر ہیئت جدیدہ پر ڈال دینا محض تعصب و نادانی ہے ۔ جہاں تک ہمارا خیال پہونچتا ہے شاید صرف وجود خارجی سبع سموات کا ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی ہیئت جدیدہ تکذیب کرتا ہے اور ہیئت قدیم تکذیب نہیں کرتا ۔ پر درحقیقت ہیئت قدیمہ نے اس مسئلہ اسلامی کو بھی بالکل اچھوتا نہیں چھوڑا ۔ بلکہ نو افلاک ثابت کرکے وجود سبع سموات کا بھی ابطال کردیا ۔ پس ہم حیران ہیں کہ پھر ہیئت جدیدہ کے اور کون سے ایسے مسائل ہیں جن سے مسائل دینی کی تکذیب ہوتی ہے ۔ اور عقاید مذہبی میں تزلزل واقع ہوتا ہے ۔ لیکن بالفرض اگر ایسے مسائل ہوں بھی ۔ تو بقول امام صاحب امور قطعیہ کے انکار کی نسبت اُن کی تاویل کر لینا سہل تر ہے ۔ اور دین اسلام کو سخت بدنامی کی آفت سے بچانا ہے ۔ اور برعکس اس کے ابطال ہیئت جدیدہ کے درپے ہونا اسلام کی کمال بدخواہی کرنا اور علمی دنیا میں

تعلق نہیں رکھتا ہے۔ منطق کیا ہے؟ غور کرنا طریقہائے استدلال و
قیاسات پر۔ و نیز غور کرنا اس امر پر کہ مقدمات برہان کے کیا کیا
شرایط ہیں۔ اور وہ کس طرح مرکب ہوتے ہیں۔ حد صحیح کی شرایط
کیا ہیں۔ اور اُن کی ترتیب کس طرح ہوتی ہے۔ و نیز مثلاً یہ امور کہ
علم یا تصور ہے۔ جس کی معرفت حد پر منحصر ہے۔ یا تصدیق جس کی
معرفت برہان پر منحصر ہے۔ اور اِن امور میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جسکا
انکار واجب ہو۔ بلکہ یہ تو اُسی قسم کی باتیں ہیں جو خود علماء متکلمین اور
اہل نظر نے در باب دلایل بیان کی ہیں۔ اور اگر کچھ فرق ہے تو صرف
عبارات و اصطلاحات کا ہے۔ یا اس بات کا کہ اُنھوں نے تعریفات میں
زیادہ مبالغہ کیا ہے اور بہت تقسیمیں کی ہیں۔ اس باب میں اُن کے کلام
کی مثال یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ ہر الف ب ہے تو اس سے
یہ لازم آتا ہے کہ بعض ب الف ہے۔ یعنی جب یہ صحیح ہے کہ ہر انسان
حیوان ہے تو لازم آتا ہے کہ بعض حیوان انسان ہیں اور اس مطلب
کو اہل منطق اپنی اصطلاح میں اس طرح بیان کیا کرتے ہیں۔ کہ موجبہ
کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہوا کرتا ہے۔ پس
ان امور کا بھلا اصولِ دین سے کیا تعلق
ہے کہ اس سے اعراض و انکار کیا جائے
اگر انکار کیا جاوے گا تو اس انکار سے بجز اس کے اور کچھ حاصل

بقیہ حاشیہ: قواعد منطق سے دین کو کچھ تعلق نہیں اور اُن کے انکار سے خوف بد اعتقادی ہے اُس کو ذلیل کرنا ہے جس کا عذاب ہمارے علماء کی گردن پر ہوگا + (مترجم)

[illegible] (1)

([illegible])

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تغیر اور استحالہ اور امتزاج واقع ہوتا ہے - اس کی مثال بعینہٖ طبیب کی سی ہے جو جسم انسان اور اُس کے اعضاء رئیسہ اور اعضاء خادمہ اور اسباب استحالہ مزاج کی نسبت بحث کرتا ہے ۔ اور جس طرح اکار

بقیہ حاشیہ

شے پیدا ہو +

(۷) علم الکیمیا +

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان علوم کے کسی امر سے شرعاً مخالفت لازم نہیں صرف چار مسئلے ہیں جن میں ہم مخالفت کرتے ہیں +

(۱) حکماء کا یہ قرار دینا کہ سبب اور مسبب میں جو لزوم پایا جاتا ہے وہ ضروری ہے یعنے نہ سبب بغیر مسبب کے پیدا ہوسکتا ہے نہ مسبب بغیر سبب کے +

(۲) نفس انسانی جوہر قایم بنفسہ ہے + (۳) ان نفوس کا معدوم ہونا محال ہے +

(۴) ان نفوس کا پھر اجساد میں واپس آنا محال ہے +

اس مقام پر امام صاحب نے چار مختلف مسئلوں کو خلط ملط کردیا ہے اور یہ تصریح نہیں کی کہ جو شخص ان مسائل اربعہ کا قائل ہو اُس کی نسبت کیا حکم ہے - ان مسائل اربعہ میں سے جن میں امام صاحب حکماء سے مخالفت کرنا ضروری جانتے ہیں مسئلہ اول تو یقیناً ایسا ہے کہ امام صاحب اُس کے قائل کی نسبت تکفیر جائز نہیں رکھتے - کیونکہ تلازم اسباب طبعی کے باب میں فرقہ معتزلہ کی بھی یہی رائے ہے - اور امام صاحب نے معتزلیوں کی تردید سے منع فرمایا ہے +

مسئلہ ثانی کو سب اہل اسلام تسلیم کرتے ہیں اور جمہور اہل اسلام کا یہی اعتقاد ہے کہ نفس انسانی جوہر قایم بنفسہ ہے - امام صاحب نے حکماء سے صرف طریق ثبوت

بجز چند مسائل انکار طبیعیات شرط دین نہیں ہے

علم طب شرط دین نہیں ہے اُسی طرح یہ بھی شرط دین نہیں ہے کہ اس علم سے انکار کیا جائے

بجز چند مسائل خاص کے جن کا ذکر ہم نے کتاب تہافت الفلاسفہ

بقیہ حاشیہ

مسئلہ مذکور میں مخالفت کی ہے۔ یعنے امام صاحب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جن دلایل عقلیہ سے حکمائ نفس انسانی کا جوہر قایم بنفسہ ہونا ثابت کرتے ہیں وہ دلایل اس غرض کے لیئے کافی نہیں ہیں۔ چنانچہ امام صاحب تہافۃ الفلاسفہ میں فرماتے ہیں کہ اس باب (مسئلہ ثانی) میں جو کچھ حکمائ نے تحریر کیا ہے اُس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا از روئے شرع انکار واجب ہو بلکہ ہمارا مطلب حکماء کے اُس دعوی پر اعتراض کرنا ہے کہ براہین عقلیہ کے ذریعہ سے نفس کا جوہر قایم بذاتہ ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔ ورنہ ہم اس امر کو نہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ شرع اس کی مخالف ہے +

علےٰ ہذا القیاس مسئلہ ثالث کے باب میں جملہ اہل اسلام کا اعتقاد ہے کہ روح انسانی جسم کے ساتھ فنا نہیں ہوتی بلکہ جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اس مسئلہ میں بھی امام صاحب نے حکماء سے صرف طریق ثبوت مسئلہ مذکور میں مخالفت کی ہے نہ نفس مسئلہ میں۔ البتہ صرف مسئلہ رابع ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے قایل کو امام صاحب کافر قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کی نسبت ہم نے ایک علیحدہ حاشیہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے +

بحث تلازم اسباب طبعی

اگرچہ مسائل اربعہ مذکورہ بالا میں سے مسئلہ اولیٰ امام صاحب کے نزدیک ایسا

[illegible]

[illegible]

ہیں۔منطق میں جن براہین کو اُنھوں نے بطور شرط قرار دیا تھا اُن کا

یاد آئیں۔ لیکن چونکہ علی التواتر ہم ان کا وقوع ایک خاص وضع پر دیکھتے آئے
ہیں اس لئے زمانہ آیندہ میں بھی اُن کا وقوع اُسی وضع خاص پر قائم رہنا ہمارے
ذہنوں میں ایسا جم گیا ہے کہ وہ خیال ذہن سے ہرگز مرتفع نہیں ہوسکتا۔ ممکن
ہے کہ ایک شخص کسی طریق سے معلوم کرلے کہ فلاں شخص کل کو سفر سے واپس
نہیں آنے کا۔ حالانکہ اس کا آنا ممکن الوقوع ہے۔ لیکن اُس کو اُس ممکن الوقوع
کے عدم وقوع کا یقین حاصل ہے۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ کوئی شے اللہ کے
نزدیک ممکن ہو۔لیکن اس کے علم میں یہ بات ہو کہ باوجود اس امکان کے وہ
اُس کو کبھی وقوع میں نہیں لانے کا۔ اور وہ ہم میں بھی یہ علم پیدا کردے کہ
وہ شے ہرگز وقوع میں نہیں آئیگی +

اعتراض مذکورہ بالا سے بچنے کا ایک اَور طریق بھی نکل سکتا ہے۔ہم تسلیم
کرتے ہیں۔ کہ ضرور آگ میں ایک صفت ہے جو مقتضی صدور احتراق ہے اور جبتک
اُس میں وہ صفت موجود ہے ممکن نہیں کہ اُس سے فعل احتراق صادر نہ ہو۔
لیکن اس میں کیا اشکال ہے کہ کوئی شخص آگ میں ڈالا جائے مگر اللہ تعالے
آگ کو ظاہرا اصلی صورت پر قائم رکھکر اُس کی صفت اصلی یا اُس شخص کی صفت میں
تغیر پیدا کرکے اُس شخص کو احتراق سے محفوظ رکھے ۔ چنانچہ بعض ادویہ کے استعمال
سے آدمی آگ کی سوزش سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ انتہی ملخصاً +

امام صاحب کی اوپر کی تقریر سے نتایج مفصلۂ ذیل حاصل ہوتے ہیں +

(۱) فاعل احتراق اللہ تعالیٰ ہے +

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہیں بہت اختلاف ہوگیا - حقیقت میں ارسطو نے مذہب فلاسفہ کو

بقیہ حاشیہ

ایسی مناسبتیں رکھی ہیں جس سے انسان معلوم کرسکے کہ اس کائنات کا خالق ایک
خدا وحدہ لاشریک ہے - پھر جن اوضاع پر اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو خلق کیا ہے
اور جو جو مناسبتیں باہم اُن میں رکھی ہیں اُن کو ایسا مستحکم بنایا کہ جبتک نظم عالم
قائم ہے اُن میں تغیر ممکن نہیں ہے - اور ادھر انسان کے ذہن میں اپنی قدرت
سے اُن کے غیر متغیر ہونے کا یقین فطرتاً پیدا کر دیا ہے تاکہ اُس ارحمُ الرّاحمین
کی مخلوق اُن مناسبات سے فایدہ تمام اُٹھاوے - اور خدا کی نعمت کی شکر گذار ہو
ان اوضاع خاص کو جن پر اشیاء خلق کی گئی ہیں اور اُن کے باہمی تعلقات کو قوانین
قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے - قوانین قدرت کا یقین دو اصول فطری پر مبنی ہے
اصول اوّل یہ ہے کہ ہر شے کے لئے کوئی نہ کوئی علت ہونی ضرور ہے - اصول
دوّم یہ ہے کہ اگر کسی شرط یا شرایط کے جمع ہونے یا کسی مانع یا موانع کے رفع
ہونے سے کسی وقت کوئی واقعہ ظہور میں آئے تو اگر وُہی شرط یا شرایط پھر کسی
وقت جمع ہوں گی یا وُہی مانع یا موانع رفع ہوں گے تو وُہی واقعہ پھر ظہور میں
آوے گا - یعنے حالات مشابہ میں مشابہ نتیجہ پیدا ہوگا - یہ ہر دو اصول انسان
کی سرشت میں داخل ہیں - گویا روح انسانی ان اصول کے علم کو اپنے ہمراہ لیکر
آتی ہے - اور اکتساب کو اُس میں دخل نہیں ہوتا - مگر یاد رہے کہ ہمارا یہ
منشاء نہیں ہے کہ قوانین قدرت بذریعہ اکتساب حاصل نہیں کئے جاتے - بلکہ قوانین
قدرت کے دریافت کرنے کا بجز تجربہ و استقراء یعنے اکتساب کے اور کوئی طریقہ
نہیں ہے - ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کسی حالات خاص میں ایک واقعہ کا

مذہب اسلام کے بہت قریب پہونچا دیا ہے جیسا کہ فاریابی و

بقیہ حاشیہ

وقوع میں آتا دیکھکر پھر ویسے ہی حالت میں اُس واقعہ کے وقوع کا منتظر و متوقع رہنا محض فطری امر ہے۔ کیونکہ جس زمانہ سے انسان سمجھنے بوجھنے کے قابل ہوتا ہے وہ اس سے پہلے بھی اپنے آپ میں اس یقین کو موجود پاتا ہے چھوٹے بچہ کو دیکھو کہ اگر وہ آگ کی چنگاری سے ایک مرتبہ جل جائے تو وہ دوسری مرتبہ چنگاری سے فوراً ڈریگا۔ یا اگر اُس کو ایک شخص سے کسی قسم کی تکلیف پہونچی ہے تو وہ ہمیشہ اُس شخص سے خایف رہے گا۔ ہرایک شے کی علت کی جستجو میں رہنے اور یکساں حالات میں ایک ہی علت سے ایک ہی قسم کے معلول کے متوقع رہنے کا خیال ہر ملک اور ہر زمانہ کے انسان میں پایا جاتا ہے۔ مختلف قسم کے اوہام مثلاً نیک و بد شگون۔ یا سعد و نحس اوقات۔ و تعبیرات خواب وغیرہ خیالات باطلہ کے اصل بھی عموماً یہی اصول ہیں۔ کیونکہ جب دو واقعات مقارن واقع ہوتے ہیں۔ تو انسان بالطبع اُن میں تعلق دریافت کیا چاہتا ہے۔ اور اکثر غلطی سے اُن کی معیت اتفاقی کو نسبت علیت پر محمول کر لیتا ہے۔ لیکن جب انسان اس اصول فطری پر احتیاط سے کاربند ہوتا ہے تو وہ صحیح قوانین قدرت تک پے لے جاتا ہے مختلف اشخاص کے تجربوں کا انجام کار متحد ہو جانا۔ پھر اس جماعت کے تجربہ متفقہ کا ایک دوسری جماعت کے تجربہ متفقہ سے متحد ہونا۔ پھر ایک ملک کے مجموعی تجربہ کا دوسرے ملک کے مجموعی تجربہ کے مطابق پایا جانا اور پھر ایک زمانہ کے معلومات کا ازمنہ ماضیہ کے معلومات کے عین موافق نکلنا اُن قوانین کی صحت کی نسبت تیقن کامل پیدا کر دیتا ہے۔ پھر جب اُس تجربہ کی بنار پر زمانہ آیندہ کی

ابن سینا نے بیان کیا ہے - لیکن جن مسائل میں انھوں

پیشین گوئیاں ہونے لگتی ہیں اور وہ بالکل صحیح نکلتی ہیں - تو اُن قوانین قدرت کے یقینی ہونے کی نسبت کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہتا ✦

ہماری اوپر کی تقریر سے واضح ہوگا کہ اس یقین کی بنیاد کہ قوانین قدرت میں تغیّر وتبدّل نہیں ہوتا ہے اُن دو اصولوں پر ہے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے - اس یقین میں اس امر کو کچھ دخل نہیں کہ کسی معلول کی علت اصلی وہ واقعہ ہے جو ہمیشہ اُس معلول کے مقارن وقوع میں آتا ہے - یا اُس کی علت ارادہ الٰہی ہے - یا کوئی اَور نامعلوم علت ہے - پس اب اُسی آگ کی مثال پر غور کرو - اگر ایک حالت میں آگ سے روئی کا جلنا دیکھا گیا ہے تو ویسی ہی حالت میں ویسی ہی روئی ضرور جلے گی خواہ فاعل احتراق آگ ہو - خواہ اللہ تعالیٰ بواسطہ ملائکہ یا بلا واسطہ ملائکہ ہو - ہمارا یہ ہرگز دعویٰ نہیں کہ آگ میں اور احتراق میں فی نفسہ کوئی ایسی صفت موجود ہے کہ اُس کی وجہ سے آگ سے احتراق اور احتراق سے آگ جدا نہیں ہو سکتی - بلکہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو پانی سے احتراق کا کام لیا کرتا - لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں یہ یقین پیدا کر کے کہ فلاں واقعات ممکن الوقوع وقوع میں نہیں آئیں گے خود اس بات کا التزام فرمایا ہے کہ واقعات نفس الامری کے طریق ظہور کو اُسی وضع خاص پر جاری رکھے - اور جب تک خدا تعالیٰ کو یہ قوانین قدرت قائم رکھنے منظور ہیں تب تک ہمارے ذہنوں میں یہ اذعان بھی قائم رہے گا بے شک خدا تعالیٰ ہر امر ممکن پر قادر ہے - اور اگر وہ چاہے تو ان قوانین قدرت توڑ پھوڑ کر اَور قوانین جاری کرے - اور اُن قوانین کے مطابق ہم میں دوسری

نے غلطی کھائی ہے وہ کل بیس^۲۰ مسائل ہیں - ازانجملہ تین

بقیہ حاشیہ

قسم کا اذعان پیدا کردے - فان اللہ علے کل شیء قدیر +

اس اذعان کا وجود خود امام صاحب نے تسلیم کیا ہے اور قوانین قدرت کو قابل تغیر ماننے سے عدم وثوق واجبات ضروریہ کا جو الزام اُن پر عاید ہوتا ہے اُس کے جواب میں اُس اذعان کو پیش کیا ہے - جب امام صاحب نے اس اذعان کو تسلیم کرلیا - اور یہ بھی مان لیا کہ وہ اذعان یا علم ہم سے منفک نہیں ہو سکتا - تو اَب ہمارا یہ سوال ہے کہ آیا یہ علم یا اذعان درحقیقت غلط ہے یا صحیح؟ اگر صحیح ہے یعنے کوئی نظیر ایسی نہیں مل سکتی جن میں قوانین قدرت میں تخلف ہوا ہو - تو ہمارا مدعا ثابت ہے - اگر وہ اذعان غلط ہے یعنے بعض زمانہ میں ایسے نظایر پائے جاتے ہیں جن میں وہ قوانین ٹوٹے تو خداوند تعالیٰ کے تمام کارخانۂ قدرت کو معاذ اللہ دھوکے کی ٹٹی ٹھیرانا پڑے گا - سُبۡحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ - کیا کفالت ہے اس بات کی کہ ہمارے ادراکات بحالت صحت مزاج و سلامت طبع ہمیں دھوکا نہیں دیتے ہیں؟ کس طرح اطمینان ہوسکتا ہے کہ ہماری آنکھیں اپنی بینائی میں اور کان شنوائی میں اور زبان ذائقہ میں اور دیگر حواس اپنے اپنے مدرکات میں ہمیں دھوکا نہیں دیتے؟ معاذ اللہ اللہ کی مثال اُس بقال کی مانند ٹھیرے گی جس کے ایک جھوٹے باٹ سے اُس کے تمام باٹوں پر جھوٹے ہونے کا احتمال ہوتا ہے - پس امام صاحب کے نتیجہ دویم کے باب میں ہم صرف اسی قدر کہنا چاہتے ہیں - کہ اگر فعل احتراق حسب قول امام صاحب ارادہ الٰہی سے علی سبیل الاختیار صادر ہوتا ہے تو بھی ہمارا مطلب فوت نہیں ہوتا - کیونکہ ارادہ الٰہی نے علی سبیل الاختیار احتراق

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے - اور سترہ مسائل میں بدعتی قرار دینا لازم ہے -

بقیہ حاشیہ

کا بجز اس کے کچھ نہیں کہ کوئی ایسی صورت خرق عادت کی نکالی جاوے کہ بقول شخصے سانپ مرجائے اور لاٹھی نہ ٹوٹے - خرق عادت کا وقوع میں آنا بھی مسلم ہو جائے اور رشتہ علیت بھی ٹوٹنے نہ پائے - چنانچہ زمانہ حال میں بھی مثبتین خوارق عادات نے یہ سمجھ کر کہ قانون قدرت یعنے رشتہ علیت نہیں ٹوٹ سکتا - یہی طریقہ امام غزالیؒ صاحب کا سا اختیار کیا ہے - وہ کہتے ہیں کہ خرق عادت میں رشتہ علیت نہیں ٹوٹتا ہے بلکہ سبب یا علت میں نامعلوم طور پر تغیر واقع ہو جاتا ہے اور غلطی سے معلول کو ظاہری علت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے - حالانکہ وہ ظاہری علت اصلی علت معلول مذکور کی نہیں ہوتی - آگ کی مثال میں وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو آگ میں ڈال دیا جاوے اور بوجہ تغیر صفت موثر وہ شخص نہ جلے تو یہ لازم نہیں آتا کہ رشتہ علیت ٹوٹ گیا - کیونکہ رشتہ علیت یا قانون قدرت کا ٹوٹنا تو اُس صورت میں ٹھیرتا جبکہ آگ اپنی حالت اصلی پر قائم رہتی - اور پھر اُس سے احتراق وقوع میں نہ آتا - لیکن جب تسلیم کر لیا گیا کہ آگ کی صفت موثرہ میں تغیر ہوگیا ہے تو ضرور نہیں کہ احتراق جو اصلی آگ کو لازم تھا وقوع میں آئے - وہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ خوارق عادات میں مسبب بے سبب پیدا ہو جاتا ہے بلکہ در حقیقت سبب ظاہری اصلی حالت پر نہیں رہتا - اس وجہ سے اُس سبب متبدل کے مناسب معلول پیدا ہوتا ہے - جس کو غلطی سے قانون قدرت کا ٹوٹنا سمجھ لیا جاتا ہے •

اس توجیہ پر ہمارے دو اعتراض ہیں +

اعتراض اوّل - جس مشکل کے حل کرنے کے واسطے یہ توجیہ گھڑی گئی ہے وہ مشکل اس توجیہ سے حل نہیں ہوتی - بلکہ صرف ایک قدم پیچھے سرک جاتی ہے - آگ کی صفت کا متغیر ہونا صرف اس نظر سے فرض کیا گیا تھا کہ اس الزام سے بچاؤ ہو کہ آگ کا اپنی حالت اصلی پر رہ کر بلا صدور احتراق رہنا کس طرح ممکن ہے - لیکن آگ کا سلسلہ جو احتراق پر ختم ہوتا ہے بے انتہا علل سے مربوط ہے - اور یہ ممکن نہیں کہ اس زنجیر میں سے کوئی کڑی نکال دیجائے اور تمام سلسلہ درہم برہم نہ ہو جاوے - پس جس طرح امام صاحب کو یہ امر مستبعد معلوم ہوا کہ آگ حالت اصلی پر رہکر بلا صدور احتراق رہے - بعینہ اسی طرح یہ بھی مستبعد معلوم ہونا چاہئے تھا کہ وہ تمام اسباب جو اصلی صفت آتش کے پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں موجود ہوں - اور باوجود اس کے وہ اصلی صفت پیدا نہ ہو اگر یہ کہا جائے کہ اصلی صفت کے اسباب میں بھی تغیر واقع ہوگیا ہوگا تو اسی قسم کا اعتراض اُن اسباب کے علل کی نسبت پیدا ہوگا - اگر اس سلسلہ علل کے کسی مرحلہ پر کسی مسبب کی نسبت یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مسبب محض اپنے ارادہ سے سلسلہ علیت کو توڑکر پیدا کیا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ بجائے اس قدر فضول ہیر پھیر کے ابتداءً ہی صاف صاف کہا جائے کہ آگ حالت اصلی پر تھی - مگر ارادہ الٰہی یوں مقتضی ہوا کہ اس سے احتراق کا صدور نہ ہو +

تصنیف کی ہے +

تتمہ حاشیہ

اعتراض دوم ۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ سبب کی صفت موثرہ میں تغیر واقع ہوگیا ہے تو پھر یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سبب ومسبب میں افتراق وقوع میں آیا ۔ کیونکہ جب صفت موثرہ اپنی اصلی حالت پر نہ رہی یعنے سبب سبب نہ رہا تو اس کے اصلی مسبب کے وقوع کی کسطرح توقع ہوسکتی ہے ؟ البتہ اس سبب متبدلہ موجودہ سے جو مسبب پیدا ہونا چاہئے وہ مسبب ضرور پیدا ہوگا ۔ پس مسبب اور اصلی سبب میں بہرحال لزوم قائم رہا +

امام صاحب نے اس مسئلہ پر نہایت ناکمل بحث کی ہے ۔ اس کی مکمل تحقیق کے لئے ان دو سوالات کا جواب دینا نہایت ضروری تھا +

(۱) سبب ومسبب کی بحث مسئلہ فلسفی ہے ۔ اس کا دین سے کیا تعلق ہے ؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس مسئلہ پر ثبوت خوارق عادات منحصر ہے تو اول یہ طے ہونا چاہئے ۔ کہ آیا خرق عادت دلیل نبوت ہوسکتا ہے ۔ اگر اس تحقیق کا یہ نتیجہ ہو کہ خرق عادت دلیل ثبوت نبوت نہیں ہوسکتا ۔ تو یہ تمام بحث فضول ٹھہرے گی +

(۲) اگر سبب ومسبب میں افتراق وقوع میں آتا ہے تو کیا یہ وقوع افتراق بپابندی کسی قانون کلی کے ہوتا ہے ؟ اگر یہ صورت ہے یعنے یہ افتراق بپابندی قانون کلی کے وقوع میں آتا ہے اور کوئی وجہ تخصیص شخص دون شخص کی نہیں ہے ۔ اور اُس قانون کلی کے مطابق نبی اور غیر نبی ۔ مومن اور کافر سب سے علی التساوی ایسا وقوع میں آنا ممکن ہے ۔ تب اس مسئلہ پر بعلاوہ

جو و مسائل اسلامی بحث کرنا عبث ہے +

امام صاحب نے ان ضروری ابحاث کو بالکل ترک کیا ہے۔ اور بلا ثبوت ضرورت تحقیق مسئلہ مذکور اس فضول مسئلہ پر ناکام بحث کی ہے۔ اس مقام پر ہم اس سے زیادہ لکھنے کی گنجایش نہیں پاتے ہیں + (مترجم)

لے یہ مسائل ثلثہ نہایت ضروری و اہم مسائل ہیں۔ امام صاحب نے ان کو یہاں نہایت مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ ہم کسی قدر تشریح کے ساتھ اس امر کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آیا ان مسائل کے قائلین کی تکفیر علی الاطلاق ہر حالت میں واجب ہے یا اُس حکم میں کسی قسم کی قید یا تخصیص بھی ضروری ہے +

مسئلہ اولیٰ - مرنے کے بعد ہم پر کیا گذرے گی - نہایت عظیم الشان سوال ہے - لیکن اس کا جواب عقل کی رسائی اور خیال کی بلند پروازی سے باہر ہے - جس قدر اُس کے سُلجھانے کی کوشش کرو اُسی قدر اَور اُلجھن پیدا ہوتی ہے - مرنے سے پہلے اس معمّا کا حل ہونا ناممکن ہے - بڑے بڑے حکماء نے ان بھیدوں کے معلوم کرنے میں عُمریں کھوئیں - اور برسوں خاک چھانی مگر کچھ ہاتھ نہ آیا - سے

حال عدم نہ کچھ کُھلا گذری ہے رفتگاں پہ کیا
کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بُری بھلی

پس ایسے مسئلہ میں لب کشائی کرنا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے - مگر میرا ایمان گوارا نہیں کرتا کہ اُن مُسلمان بھائیوں کی نسبت جو خدا پر اور رسُول پر اور

جمیع اہل اسلام کے مخالف ہیں - ازانجملہ اُن کا یہ قول ہے کہ

بقیہ حاشیہ

ماجاء بہ پر ایمان لاتے ہیں جزا و سزا کے قایل ہیں لیکن اُس کے بعض کیفیات
میں مختلف رائے رکھتے ہیں کافر کا لفظ استعمال ہونے دوں - میری روح اس
خیال سے کانپتی ہے - پس یہ چند سطور ناچیز کوشش ہے اس امر کے اظہار کی کہ
جن اہل قبلہ کو بعض علماء دین کے سخت فتووں نے خدا کی رحمت سے مایوس کردیا
ہے - اور قریب اس کے پہونچا دیا ہے کہ وہ اللہ اور رسول کا بھی انکار کریں -
اُن کو جب تک کہ وہ اللہ اور رسول اور یوم آخرۃ پر ایمان رکھتے ہیں امت رحمت
للعلمین کہلانے کا حق حاصل ہے +

زمانہ حال کی علمی تحقیقاتوں سے روح کی حقیقت کی نسبت کچھ زیادہ انکشاف
نہیں ہوا - الّا جسم کے بعض ایسے خواص جدید کے دریافت ہونے سے جن پر قدیم
محققین کی تعریف جسم کلّی طور پر صادق نہیں آسکتی بعض حکماء زمانہ حال کو یہ شبہ
پیدا ہوا ہے کہ روح بھی کوئی مادی شے ہے اور اس سے دہریوں کو مذہب پر حملہ
کرنے کی بہت جُرأت ہوئی ہے - فخر الاسلام **سید احمد خاں** صاحب نے
تفسیر القرآن میں اس شُبہ کی نسبت اشارہ فرمایا ہے - چنانچہ اُنہوں نے جو کچھ
تحریر فرمایا ہے ہم اُس کو بجنسہ نقل کرتے ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ جبکہ ہم روح کو
ایک جوہر تسلیم کرتے ہیں تو اُس کے مادی یا غیر مادی ہونے پر بحث پیش آتی
ہے - مگر جبکہ ہم کو اُس کی ماہیت کا جاننا ناممکن ہے تو درحقیقت یہ قرار دینا بھی
کہ وہ مادی ہے یا غیر مادی ناممکن ہے - دنیا میں بہت سی چیزیں موجود ہیں جو
باوجود اس کے کہ وہ محسوس بھی ہوتی ہیں اور اُن کے مادی یا غیر مادی ہونے کی

۱- انکارِ حشر اجساد	قیامت کو حشر اجساد نہیں ہوگا - اور محل ثواب و عذاب

کی نسبت فیصلہ نہیں ہو سکتا - مثلاً ہم ایک شیشہ کی پہیہ کے ذریعہ سے
بجلی نکالتے ہیں - اور وہ نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے - اور ٹھوس اجسام میں سرایت
کر جاتی ہے - انسان کے بدن سے گذر جاتی ہے - بعض ترکیبوں سے ایک بوتل میں
یا انسان کے بدن میں محبوس ہو جاتی ہے - بعض ٹھوس اجسام ایسے ہیں جن میں
نفوذ نہیں کر سکتی - مگر اُس کی ماہیت کا اور یہ کہ وہ شے مادی ہے یا غیر مادی تصفیہ
نہیں ہو سکتا - طرفین کی دلیلیں شبہ سے خالی نہیں - یہی حال روح کے مادی یا
غیر مادی قرار دینے کا ہے - لیکن اگر وہ کسی قسم کے مادہ کی ہو - یا ہم اُس کو کسی
قسم کی مادی تسلیم کر لیں تو کوئی نقصان یا مشکل پیش نہیں آتی - البتہ اس قدر
ضرور تسلیم کرنا پڑے گا - کہ جن اقسام مادہ سے ہم واقف ہیں اُس کا مادہ اُن اقسام
کے مادوں سے نہیں ہے - کیونکہ اُن سے منفرداً یا مجموعاً اُن افعال کا صادر ہونا
ثابت نہیں ہوتا ہے جو افعال کہ روح سے صادر ہوتے ہیں" +

اگر روح حقیقت میں کوئی شے مادی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے - کہ من مات فقد قامت قیامتہ - تو حشر اجساد کے یقین کرنے میں
کوئی بھی دقت باقی نہیں رہتی - الاّ اگر یہ صحیح ہو - کہ روح غیر مادی ہے - اور یہ بھی
تسلیم کیا جائے کہ جو آیات در باب وقوع حشر وارد ہوئی ہیں اُن سے صرف یہی
مقصود نہ تھا کہ مشرکین عرب کے اُس عقیدہ کی جس کے رو سے وہ موت کے بعد
جزا و سزا کا ہونا مستبعد سمجھتے تھے تردید کی جائے - بلکہ اجساد کا دوبارہ اُٹھایا جانا
ہی بذات خود مقصود و موضوع قرآن مجید تھا - تب البتہ ضرور ہوگا کہ روح کے لئے

فقط ارواح مجردہ ہی ہوں گی - اور عذاب و ثواب روحانی ہوگا نہ جسمانی

بقیہ حاشیہ

، نہ کسی جسم کا ہونا جس سے وہ متعلق ہو اور مصداق حشر جسد بن سکے ثابت کرنا ضرور ہوگا - شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں - کہ انسان کے بدن میں خلاصہ اخلاط سے ایک بخار لطیف قلب میں پیدا ہوتا ہے جس سے قوائے حساسہ و محرکہ و مدبرہ غذا کا قیام ہے - اُس بخار کے رقیق یا غلیظ یا صاف یا مکدر ہونے سے قویٰ کے افعال میں اثر خاص پیدا ہوتا ہے - جب کسی عضو پر ایسی آفت طاری ہوتی ہے جس سے اُس عضو کے مناسب بخار پیدا ہونے میں فساد واقع ہو جائے تو اُس کے افعال میں فتور ظاہر ہوتا ہے - اس بخار کی تولید موجب حیات ہے اور اُس کی تحلیل موجب موت +

اس بخار کو روح ہوائی اور نسمہ بھی کہتے ہیں - یہ روح جسم انسانی میں اسطرح رہتی ہے جس طرح گلاب کے پھول میں نمی - یا کوئلہ میں آگ - لیکن یہ روح روح حقیقی نہیں ہے - بلکہ یہ روح وہ مادہ ہے جس سے روح حقیقی کو تعلق رہتا ہے - چونکہ اخلاط بدن میں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ نسمہ میں بھی جو ان اخلاط سے پیدا ہوتا ہے ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے - مگر روح حقیقی ان تغیرات سے بالکل محفوظ رہتی ہے - اور اُسی سے ذی روح کی ہویت قائم رہتی ہے - روح حقیقی کو اولاً نسمہ سے اور ثانیاً بدن سے تعلق ہوتا ہے - پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم کو وجدان صحیح سے معلوم ہوا ہے - کہ جب بدن انسان میں استعداد تولید نسمہ باقی نہیں رہتی تو نسمہ کا بدن انسانی سے انفکاک ہو جاتا ہے - اسی انفکاک کا نام موت ہے - لیکن موت سے روح قدسی کا نسمہ سے انفکاک نہیں ہوتا - بلکہ

یہ تو انھوں نے سچ کہا کہ وہاں عذاب و ثواب روحانی ہوں گے۔ لیکن

بقیہ حاشیہ

انسان کی موت روح و نسمہ کے لئے نشاۃ ثانی ہوتا ہے ۔ انتہی ملخصاً +

شاہ صاحب کی اوپر کی تقریر سے ظاہر ہے کہ انسان میں ظاہری گوشت پوست کے سوا ایک اَور جسم لطیف بھی ہے جو واسطہ ہے مابین روح حقیقی اور کالبد خاکی کے۔ اور وہ جسم لطیف بعد موت علی حال باقی رہتا ہے۔ اور روح اُس سے متعلق رہتی ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے کہ موت کے وقت

فمن قال بان النفس النطقیۃ المخصوصۃ بالانسان عند الموت ترفض المادۃ مطلقاً فقد خرص۔ نعم لہا مادۃ بالذات وھی النسمۃ و مادہ بالعرض و ھو جسم الارضی۔ فاذا مات الانسان لم یضر نفسہ زوال المادۃ الارضیۃ و بقیت حالتہ بمادۃ النسمۃ

انسان کا نفس ناطقہ مادہ کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ جھک مارتا ہے۔ روح کے لئے دو قسم کا مادہ ہے ۔ ایک سے روح کا بالذات تعلق ہے۔ اور دوسرے بالعرض۔ جس مادہ سے بالذات تعلق ہے وہ نسمہ ہے۔ اور جس مادہ سے بالعرض تعلق ہے وہ جسم خاکی ہے ۔ جب آدمی مر جاتا ہے تو مادہ خاکی کا زایل ہو جانا اُسے کچھ نقصان نہیں پہونچاتا۔ بلکہ روح انسانی بدستور مادہ نسمہ میں حلول کئے رہتی ہے +

فخر الاسلام سید صاحب اس عام قول کو کہ جب خدا تعالیٰ حشر کرنا چاہیگا تو ہر ایک روح کو ایک ایک جسم عطا فرمائیگا ۔ تسلیم نہیں کرتے ۔ بلکہ اُن کے نزدیک جن اجساد کے حشر کرنے کا اشارہ قرآن مجید میں پایا جاتا ہے اُن سے وُہی اجسام لطیف مراد ہیں جو ارواح ابدان انسانی سے مفارق ہونے کے بعد عالم قدس میں لیکر آتے

یہ جھوٹ کہا کہ جسمانی نہیں ہوں گے ۔ اور ایسی باتیں بیان کرکے

بقیہ حاشیہ

ہیں۔ ارواح کا دنیا سے اجسام لطیف کے ساتھ متعلق ہوکر عالم قدس میں پہونچنا ہی اُن کا حشر ہے ۔ سید صاحب کے قول کی تائید میں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت سے موت کے بعد روح انسانی کا دو جسموں سے متعلق ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک جسم کا ذکر ہے ۔ سو وُہی ایک جسم لطیف جو روح اپنے ہمراہ لیکر عالم قدس میں داخل ہوتی ہے اُس کا نشاۃ ثانی ہے ۔ اس کی تائید میں وہ احادیث بھی بیان کی جا سکتی ہیں جو عذاب قبر کے باب میں وارد ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ خاک کا جسم جس کو کفن میں لپیٹ کر گور میں دفن کرتے ہیں ۔ یا آگ میں جلاتے ہیں عذاب کے لئے نہیں اُٹھایا جاتا ۔ بلکہ روح انسانی پر جو کچھ گذرتا ہے وہ اُسی حالت میں گذرتا ہے جبکہ وہ جسم لطیف سے جس کو ہماری ظاہری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں متعلق ہوتا ہے ۔

آخرت کی نسبت جو الفاظ حشر و بعث و نشات ثانی وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں اُن سے اس امر کا اظہار مقصود نہیں ہے ۔ کہ مرنے کے بعد از سر نو انسان کا پُتلا بنایا جاتا ہے ۔ اور زندہ کرکے اُٹھایا جاتا ہے ۔ بلکہ اس دنیا میں مرنا ہی عالم قدس میں زندہ ہوکر اُٹھنا ہے ۔ خدا تعالیٰ نے ماں کے پیٹ سے بچے کے پیدا ہونے پر بھی نشات آخر استعمال فرمایا ہے ۔ حالانکہ قبل از ولادت اُس کی خلقت انسانی جو اس دنیا میں رہنے کے قابل ہو بہمہ نوع مکمل ہو چکی ہوتی ہے ۔ اور صرف ماں کے پیٹ سے علیحدہ

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ

ہونا باقی ہوتا ہے ۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس آیت میں بھی خلقاً آخر سے

شریعت سے انکار کیا +

ہے قیامت کو اس جسم کا دوبارہ زندہ کرنا مراد ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۔ پس جس طرح بچے کا ماں کے پیٹ سے نکلنا بلحاظ حالت سابقہ خلق و نشات آخر کہا گیا ہے۔ اسی طرح مادر گیتی کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں داخل ہونا بلحاظ حالت سابقہ بعث و نشاۃ ثانی سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب

اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اس مقام پر امام صاحب نے جن لوگوں کو منکرین حشر اجساد اور کافر کہا ہے اُن میں وہ لوگ داخل نہیں ہو سکتے جو اس بات کے قائل ہیں کہ بعد مرنے کے روح ایک جسم لطیف سے جو وہ دنیا میں حاصل کرلیتی ہے متعلق رہے گی۔ کیونکہ وہ اس الزام کے مورد نہیں بن سکتے کہ محل ثواب و عذاب ارواح مجردہ ہیں +

اب ہم اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں اس زمانہ کے دہریوں کی تحریروں نے حالت بعدالموت کی نسبت طرح طرح کے اوہام ڈال دیئے ہیں آؤ ذرا پھر سمجھاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں امور ہیں۔ جن میں انسان محض ظن غالب بلکہ بعض اوقات نہایت خفیف ظن پر کاربند ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سوراخ میں انگلی ڈالنے لگا ہو اور اُس کو یہ کہہ دیا جاوے کہ اس میں ابھی ایک بچھو گھسا ہے یا کوئی شخص کسی تاریک مکان میں داخل ہونا چاہتا ہو اور اُس کو یہ اطلاع دیجائے کہ اُس میں سانپ رہتا ہے۔ تو وہ ہرگز سوراخ میں اُنگلی نہ ڈالیگا۔ اور نہ اُس مکان میں گھسنے کی جرأت کرے گا۔ مگر سوچنا چاہئے کہ وہ ایسی بات سُن کر

ازانجملہ (مسائل ثلثہ) اُن کا یہ قول ہے	۲- باری تعالیٰ علم بالجزئیات نہیں ہے

بقیہ حاشیہ

فوراً اُس پر کیوں کاربند ہوتا ہے - وہ قطعی ثبوت اس امر کا کیوں نہیں حاصل
کرتا - کہ آیا جو اطلاع اُس کو دی گئی ہے - وہ درحقیقت درست ہے ؟ یا اگر اُس کو
کوئی شہادت ملی ہے - تو وہ اُس شہادت پر اُن قواعد منطق استقرائی کو کیوں نہیں
جاری کرتا - جن سے وہ مذہبی صداقتوں کو گریلا کرتا ہے - اصل بات یہ ہے کہ شہادت
سماعی عمدہ سے عمدہ کیون نہ صرف یقین عادی پیدا کر سکتی ہے - اُس سے یقین قطعی
پیدا نہیں ہوسکتا - پس جس امر کی نسبت عقل ساکت ہو اور شہادت سماعی سے
زیادہ ثبوت نہ مل سکتا ہو - تو بالطبع انسان کا رجحان اس امر کی طرف ہوتا ہے
کہ اگر اُس امر پر کاربند ہونا یا نہ ہونا اُس کے حق میں کوئی نتیجہ متہم بالشان پیدا
کرے گا - تو وہ اس پہلو کو اختیار کرتا ہے جس میں وہ جلب منفعت یا دفع مضرت
تصور کرتا ہے - کیونکہ اگر فی الواقع یہ پہلو صحیح خیال کی بناء پر اختیار کیا گیا ہے تو
فھوالمراد - اگر وہ پہلو کسی غلط فہمی پر اختیار کیا گیا ہے تو بھی کم از کم اُس کو دل
کی چبھن سے جو اُس کو ہر وقت ستائے رکھتی ہے نجات مل جاتی ہے - اور کوئی ضرر
عائد نہیں ہوتا - نہ عقلاء کے نزدیک وہ قابل ملامت ٹھہرتا ہے - کہ تو نے اپنے نفس
کے فائدہ کے لئے یا خطرہ سے بچنے کے لئے اس قدر حد سے زیادہ کیوں احتیاط کی
پس اے عزیز جب تو اپنی اُنگلی کی تکلیف کے خوف سے اور اس بدن کو جو چند
روز میں خاک میں ملنے والا ہے - اور کیڑوں مکوڑوں کا طعمہ ہونے والا ہے - بچانے
کی غرض سے اس قدر احتیاط کرتا ہے - کہ تمام قوانین عقلی کو بالائے طاق رکھ
دیتا ہے اور سب سے احفظ پہلو اختیار کر لیتا ہے - تو عذاب حشر کے باب میں

[illegible]

ہیچ ہے - بلکہ حق العریہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی شے

بقیہ حاشیہ

پس اگر تو دنیا میں دم بھر کے ٹکڑہ سے بچنے کے لئے حد سے زیادہ احتیاطیں کام میں لاتا ہے - اور ادنیٰ ادنیٰ اشخاص کی نصیحت پر کاربند ہوتا ہے تو عذاب آخرت سے ایک دم غافل نہیں رہنا چاہئے - اور کوئی ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہئے جو دوسرے عالم میں باعث خرابی ہو -

نیکی کن اے عزیز و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

مسئلہ ثانی - جاننا چاہئے - کہ انسان کا جس قدر علم ہے وہ یا زمانہ ماضی سے متعلق ہے - یا زمانہ حال سے - یا زمانہ مستقبل سے - چونکہ زمانہ ہر وقت و ہر آن میں متغیر ہوتا رہتا ہے - یعنے مستقبل حال بن جاتا ہے - اور حال ماضی بن جاتا ہے اس واسطے اسی طرح ہمارے علم میں بھی تغیر ہوتا رہتا ہے - مثلاً ہم کو عرصہ سے کسوف آفتاب کا جو ۱۷ جون ۱۹۰۹ء کو وقوع میں آیا علم تھا - مگر تغیر زمان کے ساتھ ساتھ ہمارے اس علم میں بھی تغیر واقع ہوتا گیا - قبل از ۱۷ - جون ۱۹۰۹ء ہم کو یہ علم تھا کہ کسوف ہونے والا ہے - ۱۷ - جون کو بوقت کسوف اس علم کی بجائے ہمارے ذہن میں یہ علم تھا کہ کسوف ہو رہا ہے - اور آج ۴ جولائی ۱۹۰۹ء کو ہمیں یہ علم ہے کہ کسوف ہو چکا ہے - یہ تینوں قسم کا علم ایکدوسرے سے اختلاف رکھتا ہے - یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک علم دوسرے کی جا بجا کام دیسکے - مثلاً جو علم ہم کو آج حاصل ہے کہ کسوف ہو چکا ہے وہ اگر یوم کسوف ہمارے ذہن میں ہوتا یعنی جس وقت کسوف ہو رہا تھا اس

یہ علم ہوتا کہ کسوف ہوچکا ہے تو یہ علم نہیں بلکہ جہل ہوتا۔ اسی طرح جب کسوف
وقوع میں نہیں آیا تھا اُس وقت اُس کے وقوع کا علم ہوتا تو یہ بھی علم نہ ہوتا
بلکہ جہل ہوتا۔ جس طرح زمانہ کے تعاقب سے ہمارے علم میں تغیر واقع ہوتا ہے اُسی طرح
تبدیل جہت و تبدیل مکان سے ہمارے اس علم میں جو متعلق تشخصات جزئیات
مثلاً زید و عمرو و بکر ہوتا ہے تغیر وقوع میں آتا ہے۔ غرضکہ ان تغیرات سے محل
تغیرات یعنے ذہن انسانی میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذات ہر
قسم کے تغیر و تبدل سے منزہ ہے اس لئے حکماء قائل ہوئے ہیں۔ کہ اُس کا
علم تغیر سے پاک ہے۔ کیونکہ اگر اُس کے علم میں تغیر ہو۔ تو اُس کی ذات محل
تغیر ٹھیرے۔ اس لئے یہ ماننا ضرور ہوا کہ اُس کا علم ہر حال و ہر آن میں یکساں
رہتا ہے۔ لیکن اُنھوں نے اپنے زعم میں یہ سمجھا کہ اگر علم میں تغیرات نہوں
اور ہر حالت میں یکساں رہے تو یہ صرف کلیات کا علم ہوگا نہ جزئیات کا۔
یعنے خدا تعالیٰ کو کلی طور پر کسوف کے ہونے اور زید و بکر کا من حیث الانسان
ہونے کا تو علم ہوگا۔ لیکن کسوف کی ان جزئیات کا کہ اب کسوف ہونے والا
ہے۔ اب ہو رہا ہے۔ اب ہوچکا ہے۔ زید اب کھڑا ہے۔ اب بیٹھا ہے۔ اب
نماز پڑھتا ہے۔ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کا علم مقتضی تغیر ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ
کی ذات پاک ہے۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ کہ جو کوئی باری تعالیٰ کو کلیات
کا عالم قرار دیتا ہے۔ وہ حضرت باری تعالیٰ عزّ اسمہ کو جزئیات سے ناواقف و
بے خبر جانتا ہے۔ بلکہ ممکن ہے۔ کہ عالم کلیات کہنے سے اُس کی مراد صرف

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]	[illegible]

اہل اسلام مین ایک شخص بھی ایسا نہیں گذرا جس نے ذرہ بھر
ماضی و حال و استقبال نہیں ہو سکتا - بلکہ وہ سب جزئیات کو کلی طور پر جانتا
ہے - لا یعزب عن علمہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض - حاصل اس
تمام بحث کا یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے ہر علم کو اصطلاحاً علم کُلی کہتے ہیں اور
اُس کے لئے لفظ جزئی کا استعال نہیں کرتے - پس جو لوگ کہتے ہیں کہ باریتعالیٰ
کو کلیات کا علم ہے جزئیات کا علم نہیں ہے - اس سے اگر اُن کی مراد وہی ہے
جو ہم نے اوپر بیان کی تو یہ عقیدہ عین اسلام کے مطابق ہے اور اُس سے اعلےٰ
درجہ کی تنزیہہ جناب باری تعالیٰ کی ظاہر ہوتی ہے - اور کچھ شک نہیں کہ
امام صاحب کا حکم تکفیر ایسے اعتقاد پر اطلاق پذیر نہیں ہے + (مترجم)

مسئلہ ثالث - امام صاحب نے کتاب التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ میں مسئلہ قدم
عالم کو منجملہ اُن مسائل کے نہیں لکھا جن کے سبب تکفیر واجب ہے - اس لئے اس مسئلہ
پر ہم کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے +

جو لوگ مادہ میں خواص واجبیہ تسلیم کرکے اور اُس کو اپنے وجود میں کسی واجب الوجود
کا محتاج نہ پاکر قدم مادہ کے قائل ہوئے ہیں - اُن کے کافر ہونے میں تو کچھ کلام نہیں
ہوسکتا - لیکن سوال اُن لوگوں کی نسبت ہے جو خدا پر بجمیع صفاتہ اور رسُول پر بجمیع ماجاء بہ
ایمان لائے ہیں - اور خدا کی ذات ہی کو محتاج الیہ و علۃ العلل کل کائنات کا سمجھتے ہیں
لیکن وہ یہ کہتے ہیں - کہ چونکہ خدا تعالےٰ مع اپنی صفات کے جن میں ایک
صفت ارادہ بھی ہے علۃ تامہ اس عالم کا ہے اور تخلف علۃ کا معلول
سے جائز نہیں ہے - اس لئے مادہ بھی قدیم ہے - معہذا وہ مادہ کو قدیم

تکفیر پر جلدی کرتا ہے - اُس کی رائے فاسد ہے[۱] +

[۱] امام صاحب کتاب **التفرقہ بین الاسلام والزندقہ** میں بحریر فرماتے ہیں کہ - اہل اسلام کا کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں ہے جو تاویل کا محتاج نہ ہوا ہو - سب سے تاویل سے پرہیز کرنے والے **امام احمد بن حنبل** ہیں اور اقسام تاویل سے سب سے بعید تاویل جس سے کلام اپنی حقیقت سے خارج ہوکر صرف مجاز و استعارہ ہی رہ جاتا ہے وہ وجود عقلی و شبہی سے تاویل کرنا ہے - مگر **امام احمد بن حنبل** ایسی بعید تاویل کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں - ہر فرقہ گو کہ وہ کیسا ہی ظواہر آیات کا پابند رہا ہو اُس کو بھی تاویل کی ضرورت پڑتی ہے - صرف وہی شخص جو حد سے زیادہ جاہل اور غبی ہو تاویل کرنا نہ چاہے گا +

تاویل کے پانچ درجہ ہیں - ظاہری معنے ہر ایک چیز کے جس کی خبر دی گئی ہے وجود ذاتی ماننا ہے - جبکہ اُس کا وجود ذاتی ماننا متعذر ہو تو وجود حسی تسلیم کرنا ہے - اور جبکہ اُس کا تسلیم کرنا بھی متعذر ہو - تو وجود خیالی اور عقلی کا تسلیم کرنا ہے - اگر اُس کا تسلیم کرنا بھی متعذر ہو - تو وجود شبہی اور مجازی کا تسلیم کرنا ہے - ان پانچ مدارج تاویل پر اہل اسلام کے تمام فرقے متفق ہیں - اور اُن میں سے کوئی سی تاویل کرنی تکذیب رسول نہیں ہے - اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان تاویلوں کا جائز ہونا اِس بات پر موقوف ہے - کہ بذریعہ دلیل کے اُن کے ظاہری معنوں کا محال ہونا ثابت ہو +

ان باتوں کے لئے دو مقام ہیں - ایک تو عوام خلق کا درجہ و مقام ہے اُن کے لئے تو یہی بہتر ہے کہ جو کچھ ہے اُس کو مانیں اور جو ظاہری معنے لفظ

۶- علم اخلاق

۶- علم اخلاق - اس علم میں حاصل کلام فلاسفہ کا یہ ہے کہ اُنھوں نے صفات و اخلاق نفس کا حصر کیا ہے اور اُنکی اجناس و انواع اور اُن کے معالجات و مجاہدات کی کیفیت کو بیان کیا ہے - اس علم کو فلاسفہ نے کلام صوفیہ سے اخذ کیا ہے جو لذات دنیاوی سے رُوگردانی کرکے یاد الٰہی میں ہمیشہ مستغرق رہنے والے - ہوا و حرص سے لڑنے والے - اور راہِ خدا پر چلنے والے ہیں - صوفیہ کرام کو مجاہدات کرتے کرتے بعض اخلاق نفس اور اُن کے عیوب اور اُنکے آفات اعمال کا انکشاف ہوا ہے - اور اُنھوں نے اس کا بیان کیا ہے فلاسفہ نے ان امور کو اُن سے اخذ کرکے اپنے کلام میں ملا لیا - تاکہ اُس کے وسیلہ سے اور اُس کی بدولت زیب و زینت پاکر اُنکے خیالات باطل کی ترویج ہو ٭

اس علم کا ماخذ کلام صوفیہ ہے

ان فلاسفہ کے زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ میں خدا پرست بزرگ بھی ہوتے رہے ہیں - خداوند تعالیٰ نے دنیا کو کبھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں رکھا ہے - یہ لوگ زمین کی اوتاد ہیں - اور اُن کی برکت سے اہل زمین پر رحمت نازل ہوتی ہے - جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا - کہ اُن کی برکت سے ہی اہل زمین پر بارش ہوتی ہے اور اُن کی برکت سے ہی رزق ملتا ہے - اور اصحاب کہف ایسے ہی لوگوں میں تھے ٭

زمانہ سلف میں ان فلاسفہ کا مذہب وُہی تھا جس پر قرآن مجید

امتزاج کلام صوفیہ و فلاسفہ سے دو آفتیں پیدا ہوئیں

ناطق ہے - لیکن چونکہ اُنھوں نے کلام نبوت اور کلام صوفیہ کو اپنی کتابوں میں ملالیا - اس سے دو آفتیں پیدا ہوئیں - یعنی ایک آفت تو اُس شخص کے حق میں جس نے مسائل فلسفہ کو قبول کیا - اور دوسری اُس شخص کے حق میں جنے مسائل مذکورہ کی تردید کی - جو آفت کہ تردید کرنے والوں کے حق میں پیدا

آفت اوّل - ہر قول فلاسفہ سے بلا امتیاز حق و باطل انکار کیا گیا

ہوئی - وہ ایک آفت عظیم تھی - کیونکہ ضعیف العقل لوگوں میں سے ایک گروہ نے یہ گمان کیا کہ چونکہ یہ کلام اُن کی کتابوں میں مندرج اور اُن کی جھوٹی باتوں میں مخلوط ہے - اس لئے لازم ہے - کہ اُس سے علیحدگی اختیار کیجاوے اور اُس کا ذکر تک زبان پر نہیں آنا چاہئے - بلکہ اُس کے ذکر والے پر عمل منکر کے ارتکاب کا الزام لگایا جاوے - اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے پہلے یہ کلام نہ سنا تھا - اور سنا تو سب سے اوّل انھیں فلاسفہ سے سنا - اس لئے اپنے ضُعف عقل سے اُنھوں نے یہ بھی سمجھا - کہ چونکہ اس کلام کا قائل جھوٹا ہے اس لئے یہ کلام بھی باطل ہے - اس کی ایسی مثال ہے - کہ ایک شخص کسی نصرانی سے سنتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہُ عیسیٰ رسُول اللہ اور اس قول کو بُرا سمجھتا ہے - اور کہتا ہے کہ یہ تو نصرانی کا قول ہے - اُس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ ذرا ٹھیرے اور تامل کرے کہ نصرانی جو کافر ہے تو کیا بوجہ اس قول کے ہے - یا بلحاظ اس بات کے کہ وہ نبوّت محمّد صلعم سے انکا

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کوئی تغیر واقع نہیں ہوسکتا - طبیعت کا اُس سے متنفر ہونا جہل عامی
مبنی ہے - اور منشاء اس کا یہ ہے - کہ آلۂ حجامت ناپاک خون کے
واسطے موضوع ہے - پس جاہل شخص یہ سمجھتا ہے کہ خون شاید
آلۂ حجامت میں پڑنے کی وجہ سے ہی ناپاک ہوگیا ہے - اور اتنا
نہیں جانتا کہ وجہ ناپاکی کی تو اَور صفت ہے جو خود اُس کی ذات
میں ہے - اگر شہد میں وہ صفت موجود نہیں ہے - تو ایک ظرف
خاص میں پڑنے سے اُس کو وہ صفت حاصل نہیں ہوسکتی - پس
ضرور نہیں کہ اُس ظرف میں آجانے سے شہد ناپاک ہوجاوے - یہ
ایک وہم باطل ہے جو اکثر لوگوں کے دلوں پر غالب ہو رہا ہے - جب
تم کسی کلام کا ذکر کرو اور اُس کلام کو کسی ایسے شخص کی طرف منسوب
کرو جس کی نسبت وہ حسن عقیدت رکھتے ہیں تو وہ لوگ فوراً اُس کلام
کو گو وہ باطل ہی کیوں نہ ہو قبول کرلیں گے - لیکن اگر اُس کلام کو
ایسے شخص کی طرف منسوب کرو جو اُن کے نزدیک بد اعتقاد ہے تو گو
وہ کلام سچا ہی کیوں نہ ہو وہ ہرگز اُس کو قبول نہیں کرنے کے -
غرضیکہ اُن کا ہمیشہ یہی وتیرہ ہے - کہ حق کی شناخت بذریعہ قائل کے
کرتے ہیں - یہ نہیں کرتے کہ قائل کی شناخت بذریعہ حق کے کریں سو
یہ نہایت گمراہی ہے - پس یہ آفت تو وہ ہے کہ جو قبول نہ کرنے سے
پیدا ہوتی ہے +

آفت دوم یعنے قبول کرنے کی آفت - جو شخص کتب فلاسفہ

پر واجب ہے کہ بچہ کو سانپ سے اس طرح پر ڈراوے کہ اُس کے
روبرو خود سانپ سے بچتا رہے - اسی طرح عالم پر جو اپنے علم میں
مضبوط ہے بعینہ یہی کرنا واجب ہے - پھر دیکھو کہ افسوں گر کامل
سانپ پکڑتا ہے - چونکہ وہ زہر و تریاق کو پہچانتا ہے تو وہ تریاق
کو تو علیحدہ نکال لیتا ہے - اور زہر کو کھو دیتا ہے - ایسے افسوں گر کو
یہ مناسب نہیں - کہ جو شخص حاجتمند تریاق ہو اُس پر تریاق کے دینے
میں بُخل کرے - علی ہٰذالقیاس ایک صراف میصر جو کھوٹے کھرے کا فرق
بخوبی جانتا ہے جب اپنا ہاتھ کیسۂ سکۂ غیر خالص میں ڈالتا ہے
تو زر خالص کو علیحدہ نکال لیتا ہے - اور جُھوٹے سکّہ اور روّی مال کو
پرے پھینک دیتا ہے - یہ مناسب نہیں - کہ ایسے شخص کو جو حاجتمند
زر خالص ہو اُس کے دینے میں بخل کرے - بعینہ یہی طریقہ عالم کو
اختیار کرنا چاہئے - جب حاجتمند تریاق یہ جان کر کہ یہ شے سانپ میں
سے نکالی گئی ہے جو مرکز زہر ہے اُس کے لینے سے ہچکچائے - اور
مسکین محتاج شخص سونا لینے میں باین خیال تامّل کرے کہ جس کیسہ
میں سے یہ نکالا گیا ہے - اُس میں تو کھوٹے سکتے تھے تو اُس کو آگاہ
کرنا اور یہ کہنا واجب ہے کہ تمھاری نفرت محض جہالت ہے - اور اس
نفرت کے باعث تم اُس فائدہ سے جو مطلوب ہے محروم رہوگے - اور
اُن کو یہ بھی ذہن نشین کرا دینا چاہئے کہ زر خالص اور زر غیر خالص
کے باہم ایک جگہ ہونے سے جس طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ غیر خالص

[illegible]

پوری پوری غرض حاصل نہیں ہوسکتی - اور عقل کو ایسا استقلال نصیب نہیں کہ جمیع مطالب پر حاوی ہو سکے - اور نہ اُس سے ایسا انکشاف حاصل ہو سکتا ہے کہ تمام مشکلات پر سے حجاب اُٹھ جائے - چونکہ اہل تعلیم نے غایت درجہ کی شہرت حاصل کی ہوئی ہے اور خلقت میں ان کا یہ دعوےٰ مشہور ہے - کہ ہم کو معانی امور کی معرفت امام معصوم قائم بالحق سے حاصل ہوئی ہے - اس لئے میں نے یہ ارادہ کیا کہ مقالات اہل تعلیم کی تفتیش کروں - اور دیکھوں کہ اُن کی کتابوں میں کیا لکھا ہے - میرا یہ ارادہ ہی ہورہا تھا - کہ خلیفۂ وقت کی طرف سے ایک حکم تاکیدی پہونچا - کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کرو جس سے مذہب اہل تعلیم کی حقیقت کھُل جائے - میں اس حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کر سکتا تھا - اور یہ حکم میرے اصلی دلی

خلیفہ وقت کا حکم امام صاحب کے نام

اسرار امام اور زنا سے افشار اسرار دین مراد ہے ✦

امام غزالیؒ صاحب کے زمانہ میں اس فرقہ کو بہت فروغ حاصل ہوگیا تھا اور حسن صباح نے جو اُن ایام میں اُن کا پیشرو تھا پولٹیکل طاقت پیدا کرکے خلفائے عباسیہ کے دلوں میں بھی اپنا رعب بٹھا دیا تھا ✦

فرقہ باطنیہ نے اپنے مسائل مذہبی میں بہت سے اقوال فلاسفہ ملاکر علوم حکمیہ کے طرز پر کتب مذہبی تصنیف کی تھیں - امام غزالیؒ صاحب نے اس فرقہ کی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں - چنانچہ اسی کتاب میں آیندہ اس امر کا تفصیل ذکر آئیگا ✦ (مترجم)

✱ یعنے ابوالعباس احمد المستظہر باللہ جو اس وقت خلیفہ تھے ۱۲ ✦

مقصد کے انجام کے لئے ایک اور تحریک خارجی ہوگئی - پس میں نے
اس کام کو اس طرح پر شروع کیا - کہ اہل تعلیم کی کتابوں کو ڈھونڈھنے
اور اُن کے اقوال جمع کرنے لگا - میں نے ان لوگوں کے بعض اقوال
جدید سنے تھے - جو خاص اس زمانہ کے لوگوں کے خیالات سے پیدا ہوئے
ہیں - اور اُن کے علمأ سلف کے طریق معہودہ سے مختلف ہیں - پس میں نے
ان اقوال کو جمع کرکے نہایت عمدگی سے مرتب کیا - اور بعد تحقیق کے
اُن کا پُورا پُورا جواب تحریر کیا - یہاں تک کہ بعض
اہل حق مجھ سے نہایت آشفتہ خاطر ہوئے - کہ
میں نے اہل تعلیم کے دلایل کی تقریر میں بہت
مبالغہ کیا ہے - اور مجھ سے کہنے لگے - کہ اس قسم کی تقریر کرنا گویا اہل
تعلیم کے فائدہ کے لئے خود کوشش کرنا ہے - اور اگر تو اس قسم کے شبہات
کی خود تحقیق و تربیت نہ کرتا - تو ان لوگوں میں تو اس قدر ہمت نہ تھی کہ
اپنے مذہب کی تائید میں اس قدر تقریر کرسکتے +

(امام صاحب سے بعض اہل حق کا رنجیدہ ہونا کہ تردید مخالفین سے اُن کے شبہات کی اشاعت ہوتی ہے)

اہل حق کا اس طرح پر آشفتہ خاطر ہونا ایک وجہ سے سچا تھا - کیونکہ
جب حارث محاسبی نے مذہب معتزلہ کی تردید میں ایک کتاب تصنیف
کی تھی تو احمد حنبل بھی اس بات پر اُن سے آشفتہ خاطر ہوگئے تھے
اس پر حارث* محاسبی نے جواب دیا تھا - کہ بدعت کی تردید کرنا فرض

* حارث محاسبی اکابر علماء دین میں سے ہوئے ہیں - حضرت امام احمد حنبل کے ہمعصر تھے
علم کلام میں سب سے اول کتاب تصنیف کرنے کی عزت انھیں کو حاصل ہے + ۱۲

ہے - احمدؒ نے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے - پر اوّل تُو نے بدعتیوں کے
شبہات بیان کئے ہیں اور پھر اُن کا جواب دیا ہے - لیکن یہ اندیشہ
کس طرح رفع ہوسکتا ہے - کہ شاید اُس شبہ کو کوئی ایسا شخص مطالعہ
کرے جو شبہ کو بخوبی سمجھ لے - لیکن وہ جواب کی طرف متوجہ نہ ہو یا
جواب کی طرف متوجہ تو ہو لیکن وہ اُس کو سمجھ نہ سکے - احمدؒ
نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے - لیکن یہ بات اُس قسم کے شبہ
کی بابت صحیح ہوسکتی ہے جو مشہور اور شائع نہ ہوا ہو - لیکن جب
کوئی شبہ شایع ہوجاوے تو اُس کا جواب دینا واجب ہے اور جواب
بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اول شبہ کی تقریر کی جائے - ہاں
البتہ یہ ضرور ہے - کہ زبردستی تکلف کرکے کوئی شبہ پیدا نہ کیا جاوے -
چنانچہ میں نے کوئی شبہ بذریعہ تکلف پیدا نہیں کیا - بلکہ یہ شبہات میں نے
ایک شخص سے منجملہ اپنے احباب کے سُنے تھے - جو اہل تعلیم میں شامل
ہوگیا تھا - اور اُس نے اُن کا مذہب اختیار کرلیا تھا - وہ بیان کرتا تھا
کہ اہل تعلیم اُن مصنفوں کی تصنیفات پر جو وہ اہل تعلیم کی رد میں

(حاشیہ: شبہ مذکورہ بالا کا جواب)

(حاشیہ) * یہ نہایت معقول جواب تھا - اس زمانہ میں بھی ہمارے علماء دین جو نہیں جانتے
کہ علوم حکمیہ کے شیوع نے کس درجہ تک لوگوں کے دلوں میں مذہب کی صداقت
کی نسبت شبہات تو پیدا کر دیئے ہیں اسی قسم کے وہمی خطروں کی بناء
پر مباحث کلامیہ کی اشاعت کے مخالف ہیں - مگر وہ اس مخالفت سے اسلام
کو سخت ضرر پہونچاتے ہیں * (مترجم)

تصنیف کرتے ہیں ہنستے ہیں - کیونکہ ان مصنفوں نے اہل تعلیم کے
دلایل کو نہیں سمجھا - چنانچہ اُسی دوست نے ان دلایل کا ذکر کیا اور
اہل تعلیم کی طرف سے اُن کو حکایتاً بیان کیا - مجھ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ
میری نسبت یہ گمان کیا جائے کہ میں ان لوگوں کے اصل دلایل سے
ناواقف ہوں - پس میں نے اسی واسطے اُن دلایل کو بیان کیا - اور
میں نے اپنی نسبت اس گمان کا ہونا بھی بہتر نہ سمجھا کہ گو میں نے
وہ دلایل سُنے تو ہیں - لیکن اُن کو سمجھا نہیں ہے - اس لئے میں نے
اُن کے دلایل کی تقریر بھی کی ہے - اور مقصد کلام یہ ہے کہ جہانتک
اُن کے شبہات کی تقریر کرنی ممکن تھی وہاں تک میں نے تقریر کی ہے
اور پھر اُس کا فساد اور یہ امر ظاہر کیا ہے کہ اُن کے کلام کا کوئی نتیجہ یا
حاصل نہیں ہے - اور اگر اسلام کے جاہل دوستوں کی طرف سے کچھ بحث نہ
ہوتی - تو یہ بدعت باوجود اس قدر ضعف کے اس درجہ تک نہ پہونچتی لیکن
شدت تعصب نے حامیان حق کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اہل تعلیم کے
ساتھ اُن کے مقدمات کلام میں نزاع کو طول دیں - اور اُن کے ہر قول
سے انکار کریں - حتی کہ ان لوگوں نے اہل تعلیم کے اس دعوے سے
بھی انکار کیا کہ انسانوں کو تعلیم اور معلم کی ضرورت ہے - اور ہر ایک معلم
صلاحیت تعلیم نہیں رکھتا - بلکہ ضرور ہے کہ ایک معلم معصوم ہو - لیکن
در باب اظہار ضرورت تعلیم و معلم دلایل اہل تعلیم غالب رہیں - اور اُن
کے مقابلہ میں قول منکرین کمزور رہا - اس پر بعض لوگ نہایت مغرور

ہوئے - اور سمجھا کہ یہ کامیابی اس وجہ سے ہوئی - کہ ہمارا مذہب قوی اور ہمارے مخالفوں کا مذہب ضعیف ہے - اور یہ نہ سمجھا کہ اُس کی وجہ یہ ہے کہ خود مددگاران حق ضعیف ہیں اور طریق نصرت حق سے ناواقف ہیں +

بعض خدشات اہل اسلام کا جواب

ایسی حالت میں اس بات کا اقرار کرنا بہتر ہے کہ معلم کی ضرورت ہے اور اس کا بھی کہ بے شک وہ معلم معصوم ہے پر ہمارا معلم معصوم محمد صلعم ہے - اب اگر وہ یہ کہیں کہ ان کا تو انتقال ہوچکا ہے تو ہم کہیں گے کہ تمھارا معلم غایب ہے - پھر اگر وہ یہ کہیں کہ ہمارے معلم نے دعوت حق کرنے والوں کو تعلیم دیکر مختلف شہروں میں منتشر کیا ہے - اور وہ اس بات کا منتظر ہے - کہ لوگوں میں اگر کوئی اختلاف واقع ہو یا اُن کو کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اُسکی طرف رجوع کریں تو اُس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ہمارے معلم نے بھی دعوت حق کرنے والوں کو علم سکھایا ہے - اور اُن کو مختلف شہروں میں منتشر کیا ہے - اور تعلیم کو کامل وجہ پر پہونچادیا ہے - جیساکہ خدا تعالے نے فرمایا ہے الیوم اکملت لکم دینکم اور تعلیم کے کامل ہوجانے کے بعد جس طرح غایب ہوجانے سے کچھ ضرر نہیں ہوسکتا - اسی طرح اُسکے مرجانے سے کچھ ضرر نہیں ہو سکتا +

اب اُن کا ایک سوال باقی رہا کہ جس امر کی نسبت ہم نے معلم سے کچھ نہیں سنا ہے اُس میں کس طور سے حکم دیں - کیا انھیں

بذریعہ نص کے حکم دیں ؟ مگر ہم نے کبھی کوئی نص نہیں سنی - کیا بذریعہ اجتہادِ
رائے کے حکم دیں ؟ مگر اُس میں اختلاف واقع ہونے کا خوف ہے - سو
اس کا ہم یہ جواب دیتے ہیں - کہ ایسی صورت میں ہم اُس طور پر
عمل کریں گے جس طرح پر معاذؓ نے کیا تھا - جن کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلّم نے جانب یمن دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا - پس بصورت
ہونے نص کے ہم اُس کے بموجب حکم دیدیں گے - اور بصورت نہونے
نص کے اجتہاد سے حکم دیں گے - چنانچہ اہل تعلیم کے دعوت کرنیوالے
بھی جب امام سے بہت دور مثلاً انتہا مشرق کی طرف ہوتے ہیں - تو
اسی طریق پر عمل کرتے ہیں - کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ بذریعہ نص حکم دیا جائے
کیا وجہ کہ نصوص متناہیہ واقعات غیر متناہیہ کے لئے کافی نہیں ہوسکتے
اور نہ یہ ممکن ہے - کہ ہر ایک واقع کے لئے امام کے شہر کی طرف رجوع
کریں - اور بعد قطع مسافت پھر واپس آویں - ممکن ہے کہ اس عرصہ
میں سوال کنندہ مرجائے - اور جو فائدہ رجوع سے مقصود تھا وہ فوت
ہوجائے - دیکھو جس شخص کو سمت قبلہ میں شک ہو اُس کو بجز اسکے
اور کوئی چارہ نہیں - کہ اجتہاد سے نماز ادا کرے - کیونکہ اگر وہ تحقیق
سمت قبلہ کے لئے امام کے شہر کی طرف رجوع کرے گا تو نماز کا وقت
فوت ہو جائیگا - پس جس صورت میں بناء ظن پر جہت غیر قبلہ کیطرف
نماز جائز ہے - اور یہ کہا جاتا ہے - کہ اجتہاد میں غلطی کرنے والے کے
لئے ایک اجر اور صحت والے کے لئے دو اجر ہیں - تو اسی طرح جملہ اُمور

اجتہادی کا حال ہے۔ اور علی ہذالقیاس فقیروں کو زکوٰۃ کے روپیہ کے
دینے کی نسبت سمجھنا چاہئے۔ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص
اپنے اجتہاد سے کسی آدمی کو فقیر سمجھتا ہے۔ اور وہ حقیقت میں تونگر
ہوتا ہے اور اپنے حال کو اخفا کرتا ہے۔ سو اگر ایسا شخص غلطی بھی
کرے تو اُس غلطی پر اُس کو کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔ کیونکہ مواخذہ ہر شخص
پر صرف بموجب اُس کے اعتقاد کے ہوتا ہے۔ اب اگر یہ اعتراض کیا جائے
کہ ہر ایک شخص کے مخالف کا اعتقاد بھی اُسی درجہ کا ہے جس درجہ کا
اُس کا اپنا اعتقاد ہے۔ تو ہم یہ جواب دیں گے کہ ہر شخص کو خود اپنے
اعتقاد کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح کہ سمت قبلہ میں اجتہاد
کرنے والا اپنے اعتقاد کی پیروی کرتا ہے گو کوئی اَور شخص اُسکی مخالفت
کرے۔ اب اگر یہ اعتراض کیا جائے۔ کہ اس صورت میں مقلد پر امام
ابوحنیفہ و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی پیروی کرنا لازم ہے یا کسی اَور کی؟
تو ہم یہ پوچھیں گے۔ کہ مقلد کو جب سمت قبلہ کی نسبت اشتباہ ہو
اور اجتہاد کرنے والوں میں اختلاف واقع ہو۔ تو اُس کو کیا کرنا چاہئے؟ غالباً
اس کا یہی جواب دے گا کہ وہ اپنے دل سے اجتہاد کرے۔ کہ وہ
دلایل قبلہ کے باب میں کسی شخص کو سب سے عالم اور سب سے فاضل
سمجھتا ہے۔ سو اُسی کے اجتہاد کی پیروی کرنی لازم ہے۔ اسی طرح
پر مذاہب کا حال ہے۔ پس خلقت کا اجتہاد کی طرف رجوع کرنا امر
ضروری ہے۔ انبیاء و آئمہ بھی باوجود علم کے کبھی کبھی غلطی کرتے

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تیرے مخالف اس میزان میں تجھ سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ تو ہم

بقیہ حاشیہ

خمسہ کے یہ نام رکھے ہیں۔ (۱) میزان تعادل اکبر (۲) میزان تعادل اوسط۔ (۳) میزان تعادل اصغر (۴) میزان تلازم (۵) میزان تعاند +

میزان اکبر یہ ہے کہ جب کسی شے کی صفت معلوم ہو اور اُس صفت کی نسبت کوئی حکم ثابت ہو تو ضرور ہے کہ موصوف کے لئے وہ حکم ثابت ہو بشرطیکہ صفت مساوی موصوف ہو یا اُس سے عامتر ہو +

میزان اوسط یہ ہے کہ اگر ایک شے سے کسی امر کی نفی کی جائے۔ اور یہی امر کسی اور شے کے لئے ثابت کیا جائے تو شے اول مبائن شے ثانی کے ہوگی +

میزان اصغر یہ ہے اگر دو امر ایک شے پر صادق آئیں تو ضرور ہے کہ ان دونوں امر میں سے کوئی نہ کوئی ایک دوسرے پر صادق آئے +

میزان تلازم یہ ہے کہ وجود ملزوم موجب وجود لازم ہوتا ہے۔ اور نفی لازم موجب نفی ملزم ہوتی ہے۔ اور نفی ملزوم یا وجود لازم سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا +

میزان تعاند یہ ہے کہ اگر کوئی امر صرف دو قسموں میں منحصر ہو تو ضرور ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت ہو +

ان موازین خمسہ کے امثلہ اور وہ شرایط جن سے تول میں غلطی نہ ہونے پائے اور اس امر کی توضیح کہ صداقتہائے مذہب کو ان موازین سے کس طرح تولا کرتے ہیں یہ سب امور بتفصیل کتاب القسطاس المستقیم میں درج ہیں + (مترجم)

اُس نے اُس اختلاف کو رفع نہیں کیا - اور کیا وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی جو پیشوائے آئمہ ہیں اُس اختلاف کو رفع نہیں کیا - کیا تمھارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ لوگوں کو زبردستی اپنی بات کے سُننے پر متوجہ کر سکتے ہیں ؟ اگر یہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ اب تک ان کو مجبور نہیں کیا ؟ اور کس دن کے لئے یہ رکھا ہے ؟ اور اُن کی دعوت کرنے سے بجز کثرت اختلاف و کثرت مخالفین اور کیا حاصل ہوا ؟ ہاں صورت اختلاف میں تو صرف ایسے ضرر کا اندیشہ تھا جسکا انجام یہ نہیں ہوتا کہ انسان قتل ہوں اور شہر برباد ہوں اور بچے یتیم ہوں اور راستہ لوٹے جائیں اور مال کی چوری کیجائے - لیکن دنیا میں تمھارے رفع اختلاف کی برکت سے ایسے حادثہ واقع ہوئے ہیں جو پہلے کبھی نہیں سُنے گئے تھے ٭

اگر معترض یہ کہے کہ تیرا دعویٰ یہ ہے کہ تو خلقت میں سے اختلاف دور کر دے گا - لیکن جو شخص مذاہب متناقض اور اختلافات متقابل میں متحیر ہو تو اُس پر یہ واجب نہ ہوگا کہ تیرے کلام کو توجہ سے سُنے اور تیرے مخالف کے کلام کو نہ سُنے - حالانکہ تیرے بہت سے دشمن مخالف ہوں گے - اور تجھ میں اور اُن میں کچھ فرق نہیں ہے - یہ اہل تعلیم کا دوسرا سوال ہے - اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اوّل تو یہ سوال اُلٹا[1] کر تم پر ہی وارد ہوتا ہے - کیونکہ جب ایسے

حاشیہ: [1] اس اعتراض کے اُلٹنے پلٹنے کی کچھ ضرورت نہ تھی - اس سوال کا اصل

شخص متحیر کو تم نے خود اپنی طرف بلایا تو متحیر کہے گا کہ کیا وجہ ہے کہ تو اپنے تئیں اپنے مخالف پر ترجیح دیتا ہے ۔ حالانکہ اکثر اہل علم تیرے مخالف ہیں ۔ کاش مجھ کو معلوم ہو کہ تو اس اعتراض کا کیا جواب دے گا ۔ کیا تو یہ جواب دے گا کہ ہمارے امام پر نص قرآنی وارد ہے ؟ مگر جب اُس شخص نے نص مذکور رسول علیہ السلام سے نہیں سنی تو وہ اس دعوے میں تجھ کو کیونکر سچا سمجھے گا ؟ اور اُس نے تو تیرا دعوے ہی نہیں سنا اور ساتھ ہی اس کے جملہ اہل علم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ تو مخترع اور جھوٹا ہے ۔ اچھا فرض کرو کہ اُس نے نص مذکور تسلیم بھی کر لی ۔ تو اگر وہ شخص اصل نبوت میں متحیر ہوگا ۔ تو یہ کہے گا کہ اچھا فرض کیا کہ تیرا امام معجزہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی دلیل بھی لاوے ۔ اور یہ کہے کہ میری صداقت کی یہ دلیل ہے کہ میں تیرے باپ کو زندہ کردوں گا چنانچہ اُس کو زندہ بھی کردے ۔ اور مجھ کو کہے کہ میں سچا ہوں ۔ تو مجھ کو اُس کی صداقت کا کس طرح علم ہو ؟ کیونکہ اس معجزہ کے ذریعہ سے تو تمام خلقت نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو بھی نہیں مانا تھا ✦

بقیہ حاشیہ

جواب یہ تھا کہ بابا میرا کلام تو کس شمار میں ہے ۔ خود خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کو اُن لوگوں کے لئے ہدایت قرار دیا ہے جو اُس کو سنتے اور اُس پر عمل کرتے ہیں ۔ کما قال اللہ تعالیٰ ۔ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ اِلی آخر الآیہ ✦ (مترجم)

اس کے سوا اور بہت سے مشکل سوالات ہیں جو سوائے دقیق
دلایل عقلیہ کے رفع نہیں ہوسکتے - اب تیرے نزدیک دلیل عقلی پر تو
وثوق نہیں ہوسکتا - اور معجزہ سے صداقت اُس وقت تک معلوم نہیں
ہوسکتی جب تک سحر کی حقیقت اور سحر اور معجزہ کے درمیان فرق معلوم
نہ ہو - اور نیز جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو گمراہ
نہیں کرتا - اور یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گمراہ کرتا ہے یا نہیں اور
اُس کے جواب کا اشکال مشہور ہے - پس ان تمام اعتراضات کا دفعیہ
کس طرح ہوسکتا ہے ؟ اور تیرے امام کی پیروی اُس کے مخالف کی
پیروی پر مقدم نہیں ہے - انجام کار وہ ان دلایل عقلی کو بیان کرنے
لگے گا جس سے وہ انکار کرتا تھا اور اُس کا مخالف بھی ویسا ہی
بلکہ اُس سے واضح تر دلایل بیان کرے گا - اس سوال سے اُن میں
ایسا انقلاب عظیم واقع ہوا ہے - کہ اگر اُن کے سب اگلے اور پچھلے
اس کا جواب لکھنا چاہیں تو نہیں لکھ سکیں گے - اور حقیقت میں یہ
خرابی اُن ضعیف العقل لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوئی جنھوں نے اہل تعلیم
کے ساتھ مباحثہ کیا - اور بجائے اس کے کہ اعتراض کو خود اُنپر اُلٹ کر
ڈالیں وہ جواب دینے میں مشغول ہوگئے لیکن یہ طریق ایسا ہے - کہ
اُس کلام میں طول ہو جاتا ہے - اور وہ زود تر سمجھ میں نہیں آسکتا
یہ طریق مناظرہ خصم کے ساکت کرنے کے لئے مناسب نہیں ہوتا ◆
اب اگر معترض یہ کہے کہ یہ تو معترض پر اعتراض کا اُلٹ دینا ہوا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

طریقِ صوفیہ

طریق صوفیہ کی تکمیل کے لئے علم و عمل دونوں کی ضرورت ہے

جب میں ان علوم سے فارغ ہوگیا تو میں نے تمام تر ہمت اپنی طریق صوفیہ کی طرف مبذول کی - اور میں نے دیکھا کہ طریق صوفیہ اُس وقت کامل ہوتا ہے - جس وقت اُس میں علم اور عمل دونوں ہوں - اور اُن کے علم کی غرض یہ ہے - کہ انسان نفس کی گھاٹیوں کو طے کرے - اور نفس کو بُرے اخلاق اور ناپاک صفات سے پاک کرے - یہاں تک کہ اُس کا دل سوائے اللہ تعالےٰ کے اور ہر ایک شے سے خالی اور ذکر خدا سے آراستہ ہوجائے - میرے لئے بہ نسبت عمل کے علم زیادہ تر آسان تھا - پس میں نے علم صوفیہ کو اسطرح پر تحصیل کرنا شروع کیا - کہ اُن کی کتابیں مثلاً **قوت القلوب ابوطالب مکی** و تصنیفات **حارث محاسبی** و متفرقات ماثورہ **جنید و شبلی و بایزید بسطامی** وغیرہ مشائخ مطالعہ کیا کرتا تھا - یہاں تک کہ اُن کے مقاصد علمی کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوگیا - اور اُن کا طریق جس قدر بذریعہ تعلیم و تقریر کے حاصل ہوسکتا تھا وہ حاصل کرلیا - مجھ پر کھُل گیا - کہ خاص الخاص باتیں اُن کے طریقے کی وہ ہیں جو سیکھنے سے نہیں آسکتی ہیں - بلکہ وہ درجہ ذوق و حال و تبدیل صفات سے پیدا ہوتی ہیں - کس قدر فرق ہے - اُن دو شخصوں میں

امام صاحب نے قوۃ القلوب و دیگر تصانیف مشائخ عظام کا مطالعہ شروع کیا +

صوفیہ کا درجہ خاص ذوق و حال سے حاصل ہوتا ہے

جن میں سے ایک تو صحت و شکم سیری اور اُن کے اسباب و شرایط کو جانتا ہے۔ اور دوسرا فی الواقع تندرست اور شکم سیر ہے۔ یا ایک شخص نشہ کی تعریف سے واقف ہے اور وہ جانتا ہے۔ کہ نشہ اُس حالت کا نام ہے۔ کہ بخارات معدہ سے اُٹھ کر دماغ پر غالب ہو جائیں۔ اور دوسرا شخص درحقیقت حالت نشہ میں ہے۔ بلکہ وہ شخص جو نشہ میں ہے تعریف نشہ اور اُس کے علم سے ناواقف ہے۔ وہ خود نشہ میں ہے لیکن اُس کو کسی قسم کا علم نہیں۔ دوسرا شخص نشہ میں نہیں ہے لیکن وہ تعریف و اسباب نشہ سے بخوبی واقف ہے۔ طبیب حالت مرض میں کو تعریف صحت اور اُس کے اسباب اور اُس کی دوائیں جانتا ہے لیکن صحت سے محروم ہے۔ اسی طرح پر اس بات میں کہ تجھ کو حقیقت زہد اور اُس کے شرایط اور اسباب کا علم حاصل ہو اور اس بات میں کہ تیرا حال عین زہد بن جائے اور نفس دنیا سے ذہول ہو جائے بہت فرق ہے غرض مجھے یقین ہوگیا کہ صوفیہ صاحب حال ہوتے ہیں نہ کہ صاحب قال اور جو کچھ طریق تعلیم سے حاصل کرنا ممکن تھا وہ میں نے سب حاصل کرلیا اور بجز اُس چیز کے جو تعلیم اور تلقین سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ذوق اور سلوک سے حاصل ہو سکتی ہے اَور کچھ سیکھنا باقی نہ رہا +

علوم شرعی و عقلی کی تفتیش میں جن جن علوم میں میں نے مہارت حاصل کی تھی اور جن طریقوں کو میں نے اختیار کیا تھا ان سب سے میرے دل میں اللہ تعالیٰ اور نبوّت اور یوم آخرت پر ایمان یقینی بیٹھ گیا پس

ایمان کے یہ تینوں اصول صرف کسی دلیل خاص سے میرے دل میں راسخ نہیں ہوئے تھے - بلکہ ایسے اسباب اور قراین اور تجربوں سے راسخ ہوئے تھے - جن کی تفصیل احاطہ حصر میں نہیں آسکتی - مجھ کو یہ ظاہر ہوگیا کہ بجز تقویٰ اور نفس کشی کے سعادت اُخروی کی اُمید نہیں کی جاسکتی - اور اس کے لئے سب سے بڑی بات ہے اس دارِ غرور سے کنارہ کرکے اور جس گھر میں ہمیشہ رہنا ہے اُس کی طرف دل لگاکے دنیاوی علائق کو دل سے قطع کرنا - اور تمام تر ہمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ کرنا - اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی جب تک جاہ و مال سے کنارہ اور ہر ایک شغل اور علاقہ سے گریز نہ کیجائے - پھر میں نے اپنے احوال پر نظر کی - تو میں نے دیکھا کہ میں سراسر تعلقات میں ڈوبا ہوا ہوں - اور اُنھوں نے مجھ کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے - میں نے اپنے اعمال پر نظر کی - جن میں سب سے اچھا عمل تعلیم و تدریس تھا - لیکن اُس میں بھی میں نے دیکھا - کہ میں ایسے علوم کی طرف متوجّہ ہوں جو کچھ وقعت نہیں رکھتے اور طریقہ آخرت میں کچھ نفع نہیں دے سکتے - پھر میں نے اپنی نیت تدریس پر غور کی تو مجھ کو معلوم ہوا کہ میری نیت خالصاً للہ نہیں ہے - بلکہ اُس کا سبب و باعث طلب جاہ و شہرت و ناموری ہے - مجھے یقین ہوا کہ میں خطرناک گرنے والے کنارہ پر کھڑا ہوں اور اگر میں تلافی احوال میں مشغول نہ ہوا تو ضرور کنارۂ دوزخ پر آ لگا ہوں - غرض مدت میں اس بات میں فکر کیا کرتا تھا +

امام صاحب سعادت آخرت کے لئے دنیا سے قطع تعلق کرنا ضروری سمجھتے ہیں +

بغداد سے نکلنے

یہاں تک کہ مجھ کو زیادہ تر مقام کرنا ناگوار معلوم ہونے لگا۔ میرا یہ حال تھا کہ ایک روز تو بغداد سے نکلنے اور اِن احوال سے کا عزم شتابہ کنارہ کرنے کا عزم مصمم کرتا تھا اور دوسرے روز اُس عزم کو فسخ کر ڈالتا تھا۔ بغداد سے نکلنے کے لئے ایک قدم آگے بڑھاتا تھا تو دوسرا قدم پیچھے ہٹاتا تھا۔ کسی صبح کو ایسی صاف رغبت طلب آخرت [illegible]طرف نہیں اُبھرتی تھی۔ کہ پھر رات کو لشکرِ خواہشات حملہ کرکے اُس کو نہ بدل دیتا ہو۔ اور یہ حال ہوگیا تھا کہ دنیا کی خواہشیں تو زنجیریں ڈالکر کھینچتی تھیں کہ "ٹھیرا رہ ٹھیرا رہ"۔ اور ایمان کا منادی پکارتا تھا کہ "چلدے چلدے" "عمر تھوڑی سی باقی رہ گئی ہے اور تجھ کو سفر دراز درپیش ہے اور جو کچھ تو اب علم اور عمل کر رہا ہے۔ وہ محض دکھاوے کا اور خیالی ہے۔ پس اگر تو اب بھی آخرت کی تیاری نہ کرے گا تو پھر کس دن کریگا اور اگر تو اس وقت قطع تعلق نہ کرے گا تو پھر کس وقت کرے گا؟" یہ بات سُن کر شوق بھڑک اُٹھتا تھا۔ عزم مصمم ہوتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جاؤں اور کہیں نکل جاؤں۔ پھر شیطان آڑے آجاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ حالت عارضی ہے۔ خبردار اگر تونے اس کا کہا مانا۔ یہ حالت سریع الزّوال ہے۔ اگر تونے اسپر یقین کر لیا اور اتنی بڑی جاہ و شان زیبا کو جو ہر طرح کے تکدر و تنغص سے پاک ہے۔ اور اس حکومت کو جو ہر قسم کے جھگڑوں بکھیڑوں سے صاف ہے چھوڑ بیٹھا اور شاید پھر تیرا دل کبھی اس حالت کی طرف عود کرنے کا شایق ہو

ہے میری فریاد بھی سُنی - اور اُس نے جاہ و مال اور بیوی اور بچہ اور
دوستوں سے دل ہٹانا آسان کردیا - میں اپنے دل میں سفر شام کا
عزم رکھتا تھا - لیکن بایں خوف کہ مبادا کہیں خلیفہ اور تمام دوست
اس بات سے واقف نہ ہوجائیں - کہ میرا ارادہ شام
میں قیام کرنے کا ہے - میں نے لوگوں میں مکہ
کی طرف جانے کا ارادہ مشہور کیا - یہ ارادہ کرکے کہ میں بغداد میں کبھی
واپس نہ آؤں گا - وہاں سے بلطایف الحیل نکلا اور تمام آئمہ اہل عراق
کا ہدف تیر ملامت بنا - کیونکہ اُن میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اس بات
کو ممکن سمجھتا - کہ جس منصب پر اُس وقت میں ممتاز تھا اُس کے چھوڑنے
کا کوئی سبب دینی ہے - بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ سب سے اعلےٰ
منصب دین یہی ہے کہ اُن کا مبلغ علم اسی قدر تھا - چنانچہ لوگ طرح
طرح کے نتیجہ نکالنے لگے - جو لوگ عراق سے فاصلہ پر رہتے تھے
اُنھوں نے یہ گمان کیا کہ میرا جانا بباعث خوف حکام ہوا ہے - لیکن
جو لوگ خود حکام کے پاس رہتے تھے اُنھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا
تھا کہ وہ حکّام کس قدر اصرار کے ساتھ میرے ہمراہ تعلق رکھتے تھے
اور میں اُن سے ناخوش تھا اور اُن سے کنارہ کش رہتا تھا - اور
اُن لوگوں کی باتوں کی طرف متوجّہ نہیں ہوتا تھا - یہ سوچکر لوگ آخر
یہ کہتے تھے کہ یہ ایک امر سماوی ہے اور اس کا سبب سوائے اسکے
نہیں کہ اہل اسلام وخصوصاً زمرۂ علما کو نظر بد لگی ہے - غرض میں بغداد

امام صاحب کا سفر حج کے بہانہ سے بغداد سے نکلنا

سے رخصت ہوا۔ اور جو کچھ میرے پاس مال و متاع تھا وہ سب تقسیم
کردیا۔ میں نے اپنے گذارہ اور بچوں کی خوراک سے زیادہ کبھی جمع نہیں
کیا تھا۔ حالانکہ مال عراق بہ سبب اس کے کہ مسلمانوں کے لئے وقف
ہے ذریعہ حصول خیرات و حسنات ہے۔ اور میری رائے میں دنیا
میں جن چیزوں کو عالم اپنے بچوں کے واسطے لے سکتا ہے۔ اُن
چیزوں میں اس مال سے بہتر اور کوئی شے نہوگی۔ پھر میں ملک شام
میں داخل ہوا۔ اور وہاں قریب دو سال کے قیام کیا۔ اور بجز عزلت
و خلوت و ریاضت اور مجاہدہ کے مجھ کو اور کوئی شغل نہ تھا۔ کیونکہ جیسا کہ
میں نے علم صوفیہ سے معلوم کیا تھا ذکر الٰہی کے لئے تزکیہ نفس و

امام صاحب کا قیام دمشق میں

تہذیب الاخلاق و تصفیہ قلوب میں مشغول رہتا تھا۔ پس
میں مدت تک مسجد دمشق میں معتکف رہا۔ مینار مسجد پر
چڑھ جاتا اور تمام دن وہیں رہتا۔ اور اُس کا دروازہ بند کرلیتا تھا۔ وہاں
سے میں بیت المقدس میں آیا۔ ہر روز مکان صخرہ میں داخل ہوتا

زیارت بیت المقدس

اور اُس کا دروازہ بند کرلیا کرتا تھا۔ پھر مجھ کو حج کا
شوق پیدا ہوا۔ اور زیارت خلیل علیہ السلام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد
زیارت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم و برکات مکّہ و مدینہ سے استمداد کرنیکا

سفر حجاز

جوش دل میں اُٹھا۔ چنانچہ میں حجاز کی طرف روانہ ہوا۔ بعدہٗ
دل کی کشش اور بچوں کی محبت نے وطن کی طرف کھینچ بلایا۔ سو میں

امام صاحب واپس وطن کو آئے اور گوشہ نشینی اختیار کی

وطن کو واپس آیا۔ گو مجھ کو وطن آنے کا ذرا بھی

[illegible]

قابل ہو ۔ اس طریقہ کے سالک جو کچھ بیان کرتے ہیں منجملہ اُس کے

طہارت کی حقیقت ایک امر طہارت ہے اور اُس کی سب سے اول شرط یہ ہے کہ قلب کو ماسوائے خدا سے کلّی طور پر پاک کیا جائے ۔ اور اُس کی کلید جو طہارت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو تکبیر تحریمہ نماز سے رکھتی ہے یہ ہے کہ قلب کو کلّی طور پر ذکر خدا میں مستغرق کیا جائے اور آخر اس طریق کا یہ ہے ۔ کہ کلّی طور پر فنافی اللہ ہوجائے اور اس درجہ کو آخر کہنا باعتبار اُن درجات کے ہے جو امور اختیاری کی ذیل میں آتے ہیں ورنہ اکتساب ایسے امور میں درجہ ابتدائی رکھتا ہے ۔ سو درحقیقت فنافی اللہ ہونا اس طریق کا پہلا درجہ ہے اور اس سے پہلے کی حالت سالک کے لئے بمنزلہ دہلیز ہے اور اول درجہ طریقت سے ہی مکاشفات[له] و مجاہدات شروع ہوجاتے ہیں حتےٰ کہ یہ لوگ حالت بیداری میں ملائکہ و ارواح انبیاء

حاشیہ

له یہ واقعی امور ہیں اور وہ واردات ہیں جو قلب سالک پر گذرتے ہیں ۔ گو کہ نابلدان کوچہ معرفت اس پر ہنسی کیا کریں ۔ مگر در اصل وہ ہنسی ان بزرگوں پر نہیں ۔ بلکہ خود اپنے تباہ کار نفسوں اور گمراہ عقلوں پر ہنستا ہے ۔ مَا يَسْتَهْزِءُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ ۔ چونکہ یہ زمانہ علوم حکمیہ مشہودیہ کا ہے اور مشاہدہ و تجربہ ہر ایک قسم کی تحقیقات کی بنا مستقرار پایا ہے اس لئے منکرین قبل اس کے کہ وہ ان عجائبات قلبی کو جن کا امام صاحب نے ذکر فرمایا ہے انکار کریں ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ سے حسب ہدایت امام صاحب خود تجربہ کرنا اور ان امور کی تصدیق کرنا ضرور ہے نہ جاہلوں کی طرح ہنس دینا ۔ (مترجم)

[illegible]

حقیقت نبوت اور خلقت کو اُس کی ضرورت

حقیقت نبوت

جاننا چاہیئے کہ جوہر انسان بہ اعتبار اصل فطرت کے خالی اور سادہ پیدا کیا گیا ہے اور اُس کو اللہ تعالیٰ کے عالموں کی کچھ خبر نہیں اور عالم بہت ہیں جن کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اَور کسی کو معلوم نہیں جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ انسان کو عالم کی خبر بذریعہ ادراک حاصل ہوتی ہے۔ اور انسان کا ہرایک ادراک اس غرض سے پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اُس کے ذریعہ سے انسان کسی خاص عالم موجودات کا علم حاصل کرے اور عالموں سے مراد اجناس موجودات ہے۔ اب سب سے اوّل انسان میں حس لامسہ پیدا ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ بہت سے اجناس موجودات کا ادراک کرنے لگتا ہے۔ مثلاً حرارت برودت۔ رطوبت۔ یبوست۔ لینیت۔ خشونت وغیرہ کا۔ مگر یہ قوت حسّ رنگ اور آوازوں کے ادراک سے بالکل قاصر ہے۔ بلکہ رنگ اور آوازیں قوت لامسہ کے حق میں بمنزلہ معدوم کے ہیں۔ اس کے بعد انسان میں قوت باصرہ پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے رنگ اور شکلوں کا ادراک کرتا ہے۔ یہ اجناس عالم محسوسات میں سب سے زیادہ وسیع ہیں۔ پھر انسان میں قوت سامعہ رکھی گئی۔ جس کے ذریعہ سے آوازیں اور نغمات سُنتا ہے۔ پھر انسان میں قوت ذائقہ پیدا ہوتی ہے ۞

اسی طرح پر جب وہ عالم محسوسات سے تجاوز کرتا ہے تو اسمیں

سات سال کی عمر کے قریب قوت تمیز پیدا ہوتی ہے - اور یہ حالت اُس کے اطوار وجود میں سے ایک اَور طور ہے - اس حالت میں وہ ایسے امور کا ادراک کرتا ہے جو خارج از عالم محسوسات ہیں اور اُن میں سے کوئی امر عالم محسوسات میں نہیں پایا جاتا - پھر ترقی کرکے ایک اَور حالت پر پہونچتا ہے جس میں اُس کے لئے عقل پیدا کی جاتی ہے پھر وہ واجب اور جائز اور ناممکن و دیگر امور کا جو اُس کی پہلی حالتوں میں نہیں پائے جاتے تھے ادراک کرنے لگتا ہے +

بعد عقل کے ایک اَور حالت ہے جس میں اس کی دوسری آنکھ کھلتی ہے - جس کے ذریعہ سے وہ غائب چیزوں کو اور اُن چیزوں کو جو زمانۂ استقبال میں وقوع میں آنیوالی ہیں - اور نیز ایسے امور کو دیکھنے لگتا ہے جن سے عقل ایسی معزول ہے جس طرح قوت تمیز ادراک معقولات سے اور قوت حس مدرکات تمیز سے بیکار ہے - اور جس طرح پر اگر قوت ممیزہ پر مدرکات عقل پیش کیجاویں تو عقل ضرور اُن کا انکار کرے گی - اور اُن کو بعید از قیاس سمجھے گی - اسی طرح پر بعض عقلاً نے مدرکات نبوت سے انکار کیا ہے اور اُن کو بعید سمجھا ہے - سو یہ عین جہالت ہے کیونکہ اُن کے انکار و استبعاد کی بجز اس کے اَور کوئی سند نہیں ہے - کہ یہ ایسی حالت ہے جس پر وہ کبھی نہیں پہونچے - اور چونکہ اُن کے حق میں یہ حالت کبھی موجود نہیں ہوئی اس لئے وہ شخص گمان کرتا ہے کہ یہ حالت فی نفسہ موجود نہیں ہے - اگر اندھے کو بذریعہ تواتر اور روایت

اُس کے ذریعہ سے امورِ غیب اور وہ امور جن کو عقل ادراک نہیں کرسکتی ظاہر ہونے لگتے ہیں ✦

منکرینِ نبوت کے شبہات کا جواب

نبوت میں شک یا تو اُس کے امکان کی بابت پیدا ہوتا ہے - یا اُس کے وجود وقوع کی نسبت یا اس امر کی نسبت کہ نبوت کسی شخص خاص کو حاصل ہے یا نہیں - اُس کے امکان کی دلیل تو یہ ہے کہ وہ موجود ہے - اور اُس کے وجود کی دلیل یہ ہے کہ عالم میں ایسے معارف موجود ہیں جن کا عقل کے ذریعہ سے حاصل ہونا ناممکن ہے - مثلاً علم طِب و علم نجوم - جو شخص ان علوم پر بحث کرتا

نبوت کا ثبوت اس عام اصول پر کہ الہام ایک ملکہ ہے جس کا تعلق کل علوم سے ہے

ہے - وہ بالضرور یہ جانتا ہے کہ یہ علوم[1] الہام الٰہی اور توفیق منجانب اللہ کے سوا معلوم نہیں ہوسکتے اور تجربہ سے ان علوم کے حاصل کرنے کا کوئی راہ نظر نہیں آتا - بعض احکام علم نجوم ایسے ہیں جن کا وقوع ہزار برس میں صرف ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے - سو ایسے احکام تجربہ سے کیونکر حاصل ہوسکتے ہیں؟ اسی طرح پر خواص ادویہ کا حال ہے - اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جن امور کا ادراک عقل سے نہیں ہو سکتا اُن کے ادراک کا ایک اَور طریق موجود ہونا ممکن ہے - اور نبوت کے یہی معنے ہیں - کیونکہ نبوّت سے فقط ایسا ہی طریق ادراک مراد ہے - بلکہ اس قسم کا ادراک جو مدرکات

[1] امام صاحب نے حقیقت نبوت کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اُن صحیح واقعات پر مبنی ہے جو تحقیق حالات نفس انسانی سے دریافت ہوئے ہیں - اگرچہ دنیا نے

عقل سے خارج ہے ایک خاصیت منجملہ خواص نبوّت ہے اور اسکے

بقیہ حاشیہ

علم کی ہر شاخ میں بے انتہا ترقی کر لی ہے - لیکن یہ ترقی محسوسات میں محدود ہے - نفس ذہن کے متعلق بوجہ اُن بے شمار مشکلات کے جو اُس کے تحقیق کے راہ میں حایل ہیں - یا اس وجہ سے کہ دنیا کا عام میلان اُن علوم کی جانب ہے جو اس زندگی میں کارآمد ہیں بہت کم تحقیقات کی گئی ہے اور جن لوگوں نے کچھہ تحقیقات کی ہے اُن کی رایوں اور اُن نتایج میں جن پر وہ اپنے اپنے خاص طریق سے پہونچے ہیں اس قدر اختلافات ہیں کہ اُن سے اطمینان حاصل ہونا مشکل ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ مابعد الطبعیات میں جوکچھہ حکمار متقدمین لکھ گئے ہیں اُس سے زیادہ ترقی نہیں ہوئی ✦

نفس انسانی کے بہت سے حالات اور واقعات ایسے ہیں جن کا وجود ہر زمانہ میں تسلیم کیا گیا ہے مگر اُن کے علل و اسباب دریافت نہیں ہوئے - نبوّت بھی اس قسم کے حالات میں جن کو ہم مختصراً عجائبات قلبی سے تعبیر کرتے ہیں شامل ہے - جن لوگوں نے قوانین قدرت کے غیرمتغیر ہونے کے مسئلہ پر زیادہ غور کی ہے اور جو اُن تمام واقعات کو جن کا وقوع بظاہر خلاف عادت سمجھا جاتا ہے بذریعہ اصلی علل و اسباب دریافت کرنے کے قوانین قدرت کے تحت میں لانا چاہتے ہیں - اُنھوں نے عجائبات قلبی کی بھی بہت کچھہ تفتیش و تحقیق کی ہے - اور اُن کی تحقیقات سے جو نتایج حاصل ہوئے ہیں اُن سے اس خیال کی طرف میلان پایا جاتا ہے کہ درحقیقت اُن کیفیات قلبی میں کوئی اعجوبہ پن نہیں ہے اور وہ سب کیفیات اُسی سلسلہ نظام دنیا کا جزو ہیں جو مضبوط قوانین سے جکڑا ہوا ہے اس قسم کی تحقیقاتوں سے اُن محققین کے نزدیک جو نبوت کو ایک امر فطری قرار

نبوّت کا ایک قطرہ ہے - ہم نے اس کا ذکر صرف اس سبب سے کیا ہے کہ خود تیرے پاس اُس کا ایک نمونہ موجود ہے - یعنے تیرے وہ مدرکات جو حالت خواب میں معلوم ہوتے ہیں اور تجھ کو اسی جنس کے علوم مثلاً طب و نجوم حاصل ہیں +

یہ علوم معجزات انبیا ہیں اور ان علوم کو بذریعہ بضاعت عقل حاصل کرنے کا ہرگز کوئی طریق نہیں ہے - ان کے سوا جو دیگر خواص نبوّت ہیں اُن کا ادراک طریق تصوف پر چلنے سے بذریعہ ذوق کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس بات کو تو تُو اُس نمونہ سے سمجھا ہے جو تجھ کو خداتعالے نے عطا فرمایا ہے - یعنے حالت خواب - لیکن اگر یہ حالت موجود نہ ہوتی تو تو اُس کو کبھی سچ نہ جانتا - پس اگر نبی میں کوئی ایسی خاصیت ہو جس کا تیرے پاس کوئی نمونہ نہیں اور تو اُس کو ہرگز سمجھ نہیں سکتا تو تُو اُس کی تصدیق کس طرح کرسکتا ہے ؟ کیونکہ تصدیق تو ہمیشہ سمجھنے کے بعد ہوتی ہے - یہ نمونہ ابتدأً طریق تصوف میں حاصل ہوجاتا ہے اور جس قدر حاصل ہوتا ہے اُس سے ایک قسم کا ذوق اور ایک قسم کی تصدیق پیدا ہوتی ہے جو صرف اُس کا قیاس کرنے سے پیدا نہیں ہوسکتی پس یہ ایک خاصیت ہی اصل نبوّت پر ایمان لانے کے لئے تجھ کو کافی ہے +

کسی خاص شخص کا نبی ہونا بذریعہ مشاہدہ یا تواتر ثابت ہوسکتا ہے

اگر تجھ کو کسی شخص خاص کے باب میں یہ شک واقع ہو کہ آیا وہ نبی ہے یا نہیں تو

اس بات کا یقین حاصل ہونے کے لئے سوائے اس کے اَور کیا سبیل ہوسکتی ہے کہ بذریعہ مشاہدہ یا بذریعہ تواتر و روایت اُس شخص کے حالات دریافت کئے جائیں۔ کیونکہ جب تو علم طب اور علم فقہ کی معرفت حاصل کرچکا تو اب تو فقہاء و اطباء کے حالات مشاہدہ کرکر اور اُن کے اقوال سن کر اُن کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ گو تونے اُن کا مشاہدہ نہیں کیا ہے اور تو اس بات سے بھی عاجز نہیں ہے کہ شافعی کے فقیہہ ہونے اور جالینوس کے طبیب ہونے کی معرفت حقیقی نہ کہ معرفت تقلیدی اس طرح حاصل کرے کہ کچھ علم فقہ و طب سیکھے۔ اور اُن کی کتابوں اور تصانیف کو مطالعہ کرے۔ پس تم کو اُن کے حالات کا علم یقینی حاصل ہوجائیگا۔ اس طرح پر جب تونے معنے نبوت سمجھ لئے تو تجھکو چاہئے کہ قرآن مجید اور احادیث میں اکثر غور کیا کرے کہ تجھ کو آنحضرت صلعم کی نسبت یہ علم یقینی حاصل ہوجائیگا۔ کہ آپ اعلےٰ درجۂ نبوت رکھتے تھے اور اس کی تائید اُن امور کے تجربہ سے کرنی چاہئے جو آپ نے درباب عبادات بیان فرمائے۔ و نیز دیکھنا چاہئے کہ تصفیہ قلوب میں اُسکی تاثیر کس درجہ تک ہے۔ آپ نے کیسا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے اپنے علم پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اُس کو اُس چیز کا علم بخشتا ہے۔ جس چیز کا علم اُس کو حاصل نہیں تھا۔ اور کیسا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے ظالم کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ اُس پر اُس ظالم کو ہی مسلط کرتا ہے۔ اور کیسا صحیح فرمایا کہ جو شخص صبح کو اس حال میں بیدار ہو کہ اُسکو صرف ایک خدائے واحد

کی لَو لگی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے تمام غموں سے اُسکو
محفوظ کرتا ہے - جب تم کو ان امور کا ہزار یا دو ہزار یا کئی ہزار مثالوں
میں تجربہ ہوگیا تو تم کو ایسا علم یقینی حاصل ہوجائیگا کہ اُس میں ذرا
بھی شک نہیں ہوگا - پس نبوّت پر یقین کرنیکا یہ
طریق ہے - نہ یہ کہ لاٹھی کا سانپ بن گیا اور چاند
کے دو ٹکڑے ہوگئے - کیونکہ جب تو صرف اس بات کو دیکھے گا - اور

بعض معجزات ثبوت نبوت کے لئے کافی نہیں +

حاشیہ

لہ فخرالاسلام سیدصاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے - جس پر اس زمانہ کے سفہائ
ہنستے ہیں - چنانچہ سید صاحب تفسیرالقرآن جلد ثالث میں فرماتے ہیں - اکثر لوگوں کا
خیال ہے کہ انبیاء پر ایمان لانا بسبب ظہور معجزات باہرہ کے ہوتا ہے - مگر یہ خیال
محض غلط ہے - انبیا علیہم السّلام پر یا کسی ہادی برحق پر ایمان لانا بھی انسانی فطرت
میں داخل اور قانون قدرت کے تابع ہے - بعض انسان از رُوئے فطرت کے ایسے
سلیم الطبع پیدا ہوتے ہیں - کہ سیدھی اور سچی بات اُن کے دل میں بیٹھ جاتی ہے اور
وہ اس پر یقین کرنے کے لئے دلیل کے محتاج نہیں ہوتے - باوجودیکہ وہ اُس سے
مانوس نہیں ہوتے مگر ان کا وجدان صحیح اُس کے سچ ہونے پر گواہی دیتا ہے -
اُن کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے - جو اس بات کے سچ ہونے پر اُن کو
یقین دلاتی ہے - یہی لوگ ہیں جو انبیاء صادقین پر صرف اُن کا وعظ و نصیحت
سن کر ایمان لاتے ہیں : معجزوں اور کراستوں پر - اسی فطرت انسانی کا نام
شارع نے ہدایت رکھا ہے - مگر جو لوگ معجزوں کے طلبگار ہوتے ہیں وہ کبھی ایمان
نہیں لاتے اور نہ معجزوں کے دکھانے سے کوئی ایمان لاسکتا ہے - خود خدا نے

[illegible]

ذوق - وہ ایسا ہے کہ ایک شے آنکھ سے دیکھ لی جائے اور ہاتھ سے پکڑ لی جائے - سو یہ بات سوائے طریق تصوف کے اور کہیں پائی نہیں جاتی +

پس اسقدر بیان حقیقت نبوت فی الحال ہماری غرض موجودہ کے لئے کافی ہے - اب ہم اس بات کی وجہ بیان کریں گے کہ خلقت کو اُس کی حاجت ہے +

سبب اشاعت علم بعد از اعراض

جب مجھ کو عزلت و خلوت پر مواظبت کرتے قریب دس سال گذر گئے تو اس اثناً میں ایسے اسباب سے جن کا میں شمار نہیں کرسکتا مثلاً کبھی بذریعہ ذوق کے اور کبھی بذریعہ علم استدلالی کے اور کبھی بذریعہ قبول ایمانی کے مجھ کو بالضرور یہ معلوم ہوا کہ انسان دو چیز سے بنایا گیا ہے یعنے جسم اور قلب سے - اور قلب سے مراد حقیقت روح انسان ہے - جو محل معرفت خدا ہے - نہ وہ گوشت و خون جس میں مُردے اور چارپائے بھی شریک ہیں اور یہ وہ چیز ہے جس کے لئے جسم بمنزلہ آلہ کے ہے - جسم کی صحت باعث سعادت جسم ہے اور اُس کا مرض باعث ہلاکت جسم - اسی طرح قلب کے لئے بھی صحت و سلامت ہوتی ہے - کوئی شخص اُس سے نجات نہیں پاتا بجز اُس کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لیکر حاضر ہو -

ارکان و حدود شرعی کی حقیقت +

علی ہذالقیاس قلب کے لئے مرض بھی ہوتا ہے اور اُس میں ہلاکت
ابدی و اخروی ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُن کے دلوں میں
مرض ہے۔ اللہ کو نہ جاننا زہر مہلک ہے۔ اور خواہشات نفسانی کی پیروی
کرکے اللہ کا گنہگار ہونا اُس کا سخت مرض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت
اُس کے لئے تریاق زندگی بخش ہے۔ اور خواہشات نفسانی کی مخالفت کرکے
اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اس کی دوائے شافی ہے۔ جس طرح معالجہ بدن
کا بجز استعمال دوا کے اَور کوئی طریق نہیں ہے اسی طرح پر امراض قلبی
کا معالجہ بغرض ازالۂ مرض و حصول صحت بھی بجز استعمال ادویہ کے کسی
اَور طرح پر نہیں ہوسکتا۔ اور جس طرح حصول صحت میں ادویہ امراض
بدن بذریعہ ایسی خاصیت کے موثر ہوتی ہیں جس کو عقلاً اپنی بضاعت
عقل سے سمجھ نہیں سکتے بلکہ اُس میں اُن کو اُن اطبار کی تقلید واجب
ہوتی ہے جنھوں نے اُس خاصیت کو انبیاء علیہ السلام سے جو اپنی خاصیت
نبوت کی وجہ سے خواص اشیاء پر مطلع تھے حاصل کیا ہے۔ پس اسی طرح
مجھ کو یقیناً یہ ظاہر ہوا۔ کہ ادویہ عبادات بحدود و مقادیر مقررہ و مقدرہٗ
انبیاء کی وجہ تاثیر بھی عقلاً کے بضاعت عقل سے معلوم نہیں ہوسکتی۔
بلکہ اُس میں انبیاء کی تقلید واجب ہے جنھوں نے ان خواص کو نور نبوت
سے معلوم کیا ہے نہ بضاعت عقل سے۔ نیز جس طرح پر ادویہ نوع اور
مقدار سے مرکب ہیں کہ ایک دوا دوسری دوا سے وزن و مقدار میں
مضاعف استعمال کیجاتی ہے اور اُن کا اختلاف مقادیر خالی از حکمت

نہیں۔اور یہ حکمت من قبیل خواص ہوتی ہے ۔پس اسی طرح عبادات بھی
جو ادویہ امراض قلوب ہیں افعال مختلف النوع والمقدار سے مرکب ہیں۔مثلاً
سجدہ رکوع سے دو چند ہے ۔ اور نماز فجر مقدار میں نماز عصر سے نصف
ہے ۔ پس یہ مقادیر خالی از اسرار نہیں ۔ اور یہ اسرار من قبیل اُن خواص
کے ہیں جن پر بجز نور نبوت کے اَور کسی طرح اطلاع نہیں ہو سکتی۔
پس نہایت احمق اور جاہل ہے وہ شخص جس نے یہ ارادہ کیا کہ طریق
عقل سے اِن امور کی حکمت کا استنباط کرے ۔یا جس نے یہ سمجھا کہ یہ
امور محض اتفاقیہ طور سے مذکور ہوئے ہیں ۔اور اُس میں کوئی ایسا ستر
نہیں ہے جو بطریق خاصیت موجب حکم ہوا ہو ۔نیز جس طرح پر ادویہ میں
کچھ اصول ہوتے ہیں جو ادویہ مذکور کے رُکن کہلاتے ہیں اور کچھ زوائد
جو متممات ادویہ ہوتے ہیں جنمیں سے ہرایک بوجہ اپنی تاثیر خاص
کے ممدّ عمل اصول ہوتا ہے ۔اسی طرح نوافل و سنن آثار ارکان
عبادت کے لیۓ باعث تکمیل ہیں ۔غرضکہ انبیاء امراض قلوب کے طبیب
ہیں ۔اور فائدہ عقل کا اور اُس کے تصرف کا یہ ہے کہ اُس کے ذریعہ سے
ہی ہم کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے ۔اور وہ نبوّت کی تصدیق کرتی ہے اور
اپنے تئیں اُس چیز کے ادراک سے جس کو نور نبوّت سے دیکھ سکتے ہیں
عاجز ظاہر کرتی ہے ۔ اور اس عقل نے ہمارا ہاتھ پکڑکر ہم کو اس طرح
حوالۂ نبوّت کردیا ہے جس طرح اندھوں کو راہبر اور متحیّر مریضوں کو طبیب
شفیق کے سپرد کیا جاتا ہے ۔پس عقل کی رسائی و پرواز صرف یہانتک

ہے اور اس سے آگے معزول ہے - بجز اس کے کہ جو کچھ طبیب سمجھائے اُس کو سمجھ لے - یہ وہ امور ہیں جو ہم نے زمانہ خلوت و عزلت میں ایسے یقینی طور پر معلوم کئے ہیں جو مشاہدہ کے برابر ہیں +

پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کا فتور اعتقاد کچھ تو در باب اصل نبوّت ہے اور کچھ اُس کی حقیقت سمجھنے میں اور کچھ اُن باتوں پر عمل کرنے میں جو نبوّت نے کھولی ہیں - میں نے تحقیق کیا کہ یہ باتیں لوگوں میں کیوں پھیل گئیں - تو لوگوں کے فتور اعتقاد و ضعف ایمان کے چار سبب پائے گئے +

اسباب فتور اعتقاد

سَبَب اوّل - اُن لوگوں کی طرف سے جو علم فلسفہ میں غور کرتے ہیں +

سَبَب دوئم - اُن لوگوں کی طرف سے جو علم تصوّف میں ڈوبے ہوئے ہیں +

سَبَب سوئم - اُن لوگوں کی طرف سے جو دعوئے تعلّم کی طرف منسوب ہیں - یعنے بزعم خود چھپے ہوئے امام مہدی سے علم سیکھنے کا دعویٰ رکھتے ہیں +

سَبَب چہارم - اُس معاملہ کی طرف سے جو بعض اشخاص اہل علم کہلاکر لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں +

میں مدت تک ایک ایک شخص سے جو متابعت شرع میں کوتاہی کرتے تھے ملا کرتا اور اُس کے شبہ کی نسبت سوال - اور اُس کے عقیدہ اور اسرار سے بحث کیا کرتا تھا - اور اُس کو کہتا تھا کہ

بعض متشککین کے اوہام

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اور اُس میں خوب نظر رکھتا ہوں اور بوجہ حکمت تقلید پیغمبر کا محتاج نہیں ہوں +

یہ ایمان کا آخری درجہ ہے اُن لوگوں کا جنھوں نے فلسفہ الٰہی پڑھا ہے اور یہ اُنھوں نے کُتب **بُوعلی سینا و بُونصر فارابی** سے سیکھا ہے - یہ لوگ زینت اسلام سے بھی مزین ہیں - نیز تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض اُن میں سے قرآن پڑھتے اور جماعتوں اور نمازوں میں حاضر ہوتے اور زبان سے شریعت کی تعظیم ظاہر کرتے ہیں لیکن معذلک شراب پینے اور طرح طرح کے فسق و فجور کو ترک نہیں کرتے - اور جب اُن کو کوئی یہ کہتا ہے کہ اگر نبوت صحیح نہیں تو نماز کیوں پڑھتے ہو - تو کبھی تو یہ جواب دیتے ہیں کہ بدن کی ریاضت اور اہل شہر کی عادت اور مال اور اولاد کی حفاظت ہے اور کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ نبوت صحیح ہے اور شریعت حق ہے - پھر جو اُن سے شراب پینے کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو کہتے ہیں - کہ شراب اس واسطے منع ہے کہ وہ آپس میں بغض و عداوت پیدا کرتی ہے اور میں اپنی حکمت کے سبب ان باتوں سے بچا رہتا ہوں اور میں شراب صرف اس وجہ سے پیتا ہوں کہ ذرا طبیعت تیز ہوجائے - یہانتک کہ **بوعلی سینا** نے اپنی وصیت میں لکھا ہے - کہ میں اللہ تعالیٰ سے فلانے فلانے کام کرنے کا عہد کرتا ہوں - اور شریعت کے اوضاع کی تعظیم کیا کروں گا اور عبادات دینی و بدنی میں کبھی قصور نہ کروں گا اور بہ نیت بیہودگی شراب نہیں پیوں گا - بلکہ اُس کا استعمال صرف بطور دوا و علاج کے کروں گا - پس اُس کی صفائی ایمان و

التزام عبادت کی حالت کا یہ اخیر درجہ ہے کہ وہ شرابخواری کو بہ نیت شفا مستثنیٰ کرتا ہے ✦

ایسا ہی ان سب مدعیان ایمان کا حال ہے - ان لوگوں کے سبب بہت لوگ دھوکے میں آگئے ہیں - اور اُن کے دھوکے کو معترضین کے ضعیف اعتراضوں نے اور بھی زیادہ کر دیا ہے - کیونکہ اُنھوں نے انکار علم ہندسہ و منطق کی بنیاد پر اعتراض کئے[1] ہیں - حالانکہ یہ علوم اُن کے نزدیک جیساکہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں - یقینی ہیں ✦

حاشیہ ۱

[1] بعینہٖ اسی طرح اس زمانہ کے اکثر انگریزی خواں نوجوانوں کا حال ہے - وہ اپنے مذہب سے محض کورے ہیں اور کسی قسم کی تعلیم مذہبی اُن کو نہیں دی گئی - اس حالت کا مقتضا یہ تھا کہ وہ معاملہ مذہب کے باب میں جس میں اُن کو درک حاصل نہیں تھا سکوت اختیار کرتے لیکن ہمارے علماٗ کے بے ڈھنگے اعتراضوں نے اُن کو اسلام کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا اور وہ مذہب کے ساتھ گستاخی اور زبان درازی سے پیش آنے لگے - ہمارے علماٗ نے اُن امور محققہ سے جو دلایل ہندسی اور مشاہدہ عینی سے ثابت ہو چکے ہیں انکار کیا اور اسی انکار کی بنا پر اُن مشککین پر اعتراض کئے - ان اعتراضات کی غلطیوں اور بیہودگیوں نے جو بالبداہت ظاہر تھیں علوم جدیدہ کے پڑھنے والوں کے دل میں عام طور پر یہ یقین پیدا کیا ہے کہ مذہب اسلام کی بنا ایسے ہی بودے دلایل اور جاہلانہ اقوال پر ہے - پس جملہ مسائل مذہب اسلام کی نسبت عام بدظنی پھیل گئی ہے اور اُس کی ہر خفیف بات کو بھی جس میں ذرا سا امکان بھی بھدی صورت میں ظاہر کئے جانے کا ہوتا ہے نہایت کریہہ اور قابل نفرت صورت میں دنیا کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

دو پارچہ جات آب نارسیدہ پر لکھا جاتا ہے - اور حاملہ اپنی آنکھ سے اُن تعویذوں کو دیکھتی رہتی ہے - اور اُن کو اپنے قدموں کے نیچے رکھ لیتی ہے پس بچہ فوراً پیدا ہوجاتا ہے - اس بات کے امکان کا ان لوگوں نے اقرار کیا ہے - اور اس کا ذکر کتاب **عجایب الخواص** میں کیا ہے - تعویذ مذکورہ ایک شکل ہے جس میں ۹ نو خانہ ہوتے ہیں - اور اُن میں کچھ ہندسا خاص لکھے جاتے ہیں - اس شکل کے ہر سطر کا مجموعہ ۱۵ پندرہ ہوتا ہے - خواہ اس کو طول میں شمار کرو یا عرض میں یا ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک - تعجب ہے اُس شخص پر جو اس بات کو تو تصدیق کرے - لیکن اُس کی عقل میں اتنی بات نہ سما سکے کہ نماز فجر کی دو رکعت اور ظہر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت مقرر ہونا بوجہ ایسے خواص کے ہے

ارکان احکام شرعی کی توضیح بذریعہ ایک تمثیل کے

جو نظر حکمت سے نہیں سوجھ سکتے - اور ان کا سبب اختلاف اوقات مذکورہ ہے - اور ان خواص کا ادراک اکثر نور نبوت سے ہوتا ہے - تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر ہم اسی عبارت کو بدل کر عبارت منجمین میں بیان کریں تو یہ لوگ اس امر اختلاف اوقات مذکورہ کو ضرور سمجھ لیں گے - سو ہم کہتے ہیں کہ اگر شمس وسط سماء میں ہو یا طالع میں - یا غارب میں - تو کیا ان اختلافات سے حکم طالع میں اختلاف نہیں ہوجاتا - چنانچہ اسی اختلاف سیر شمس پر زائچوں - عمروں اور اوقات مقررہ کے اختلاف کی بنا رکھی گئی ہے - لیکن زوال اور شمس کے فی وسط السماء ہونے میں یا مغرب اور شمس کے فی المغارب ہونے میں کچھ

[illegible]

باوجود اس علم کے تو اِن محرمات کا مرتکب ہوتا ہے - لیکن نہ اس وجہ سے کہ تجھ کو ان امور کے داخل معاصی ہونے کا ایمان نہیں ہے - بلکہ بوجہ شہوت کے جو تجھ پر غالب ہے - پس اُس کی شہوت کا حال بھی تیری شہوت کا سا حال ہے - جس طرح شہوت کا تجھ پر غلبہ ہے اسیطرح اُس پر ہے - پس اُس عالم کا اِن مسائل سے زیادہ جاننا جس کی وجہ سے وہ تجھ سے متمیز ہے اس بات کا موجب نہیں ہوسکتا کہ ایک گناہ خاص سے وہ رُکا رہے - بہت سے اشخاص ایسے ہیں جو علم طب پر یقین رکھتے ہیں لیکن اُن سے بلا کھانے میوہ اور پینے سرد پانی کے صبر نہیں ہو سکتا - گو طبیب نے اِن چیزوں کے استعمال کرنے سے منع کیا ہو - لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس بدپرہیزی میں کوئی ضرر نہیں - یا یقین نسبت طبیب صحیح نہیں ہے - پس لغزش علماء کو اسی طرح پر سمجھنا چاہئے +

دوئم - عام شخص ، ، لو یہ کہو کہ تجھ کو یہ سمجھنا واجب ہے کہ عالم نے اپنا علم یوم آخرت کے لئے بطور ذخیرہ جمع کیا ہوا ہے - اور وہ یہ گمان کرتا ہے - کہ اُس علم سے میری نجات ہوجائیگی - اور وہ علم میری شفاعت کرے گا - پس وہ بوجہ فضیلت علم خود اپنے اعمال میں تساہل کرتا ہے - اگرچہ یہ ممکن ہے کہ علم اُس عالم پر زیادتی حجت کا باعث ہو اور وہ یہ ممکن سمجھتا ہے کہ وہ علم اُس کے لئے زیادتیٔ درجہ کا باعث ہو - اور یہ بھی ممکن ہے - پس اگر عالم نے عمل ترک کیا ہے تو

بوجہ علم کے کیا ہے - لیکن اے جاہل شخص اگر تو نے اُس کو دیکھا عمل ترک کیا ہے - اور تو علم سے بے بہرہ ہے تو تُو بہ سبب اپنی بداعمالیوں کے ہلاک ہوجائیگا - اور کوئی تیری شفاعت کرنے والا نہ ہوگا +

سوئم - علاج حقیقی - عالم حقیقی سے کبھی کوئی معصیت بجز اس کے کہ بطریق لغزش ہو ظاہر نہیں ہوتی - اور نہ وہ کبھی معاصی پر اصرار کرتا ہے کیونکہ علم حقیقی وہ شے ہے جسسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معصیت زہر مہلک ہے اور آخرت دنیا سے بہتر ہے اور جس کو یہ معلوم ہوجاتا ہے - تو وہ اچھی شے کو ادنےٰ شے کے عوض نہیں بیچتا - مگر یہ علم ان اقسام علوم سے حاصل نہیں ہوتا جس کی تحصیل میں اکثر لوگ مشغول رہتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ اس علم کا نتیجہ بجز اس کے اَور کچھ نہیں کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت پر زیادہ جُرأت ہوجاتی ہے - لیکن علم حقیقی ایسا علم ہے - کہ اُس کے پڑھنے والے میں خشیۃ اللہ و خوف خدا زیادہ بڑھتا ہے - اور یہ خوف خدا مابین اُس عالم اور معاصی کے بطور پردہ حائل ہوجاتا ہے - بجز اُن صورتہاء لغزش کے جس سے انسان بمقتضائے بشریت جدا نہیں ہوسکتا - اور یہ امر ضُعف ایمان پر دلالت نہیں کرتا - کیونکہ مومن وہی شخص ہے جس کی آزمائش ہوتی ہے اور جو توبہ کرنے والا ہے - اور یہ بات گناہ پر اصرار کرنے اور ہمہ تن گناہ پر گر پڑنے سے بہت بعید ہے +

6	1	2
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]

[illegible]	1	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]